ماہنامہ

نقوشِ راہ

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

OCTOBER 2021

اسی سے نوعِ انساں پھر ہدایت کی سوالی ہے

حجۃ الوداع کا پیغام

صلیبی جنگوں سے وار آن ٹیرر تک

محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ

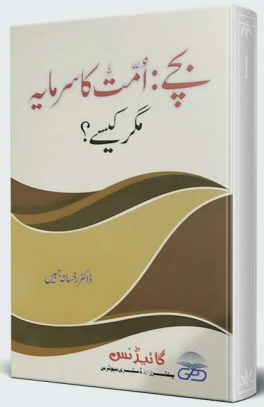

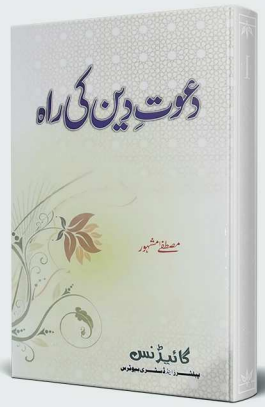

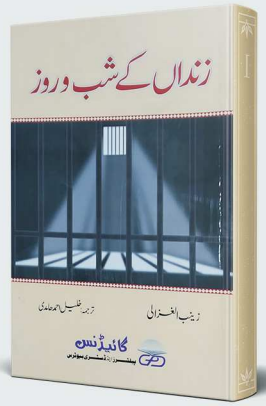

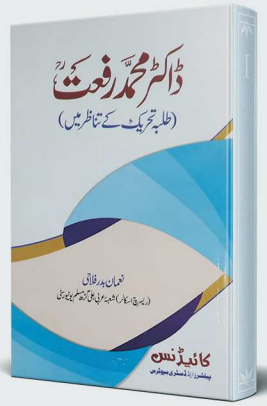

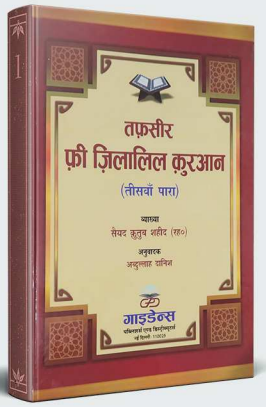

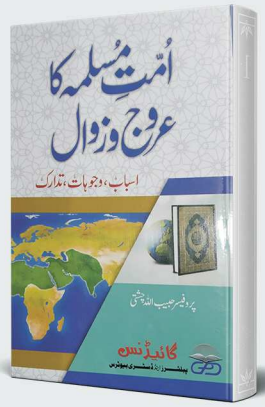

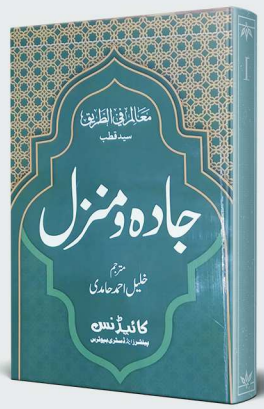

گائیڈنس پبلیشرز کی اہم مطبوعات
بچے: اُمت کا سرمایہ
مگر کیسے؟
دعوتِ دین کی راہ
زنداں کے شب و روز
ڈاکٹر محمد رفعت
(طلبہ تحریک کے تناظر میں)
LIMITED TIME ONLY
ORDER NOW
CALL: 9599693655
gpddelhi2018@gmail.com
तफ़सीर
फ़ी ज़िलालिल क़ुरआन
(तीसवाँ पारा)
اُمتِ مسلمہ کا عروج و زوال
اسباب، وجوہات، تدارک
معالم فی الطریق
جادہ و منزل
خلیل احمد حامدی
نوائے صحرا

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوشِ راہ

Islamic Youth Federation

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد: 04 شمارہ: 7

اکتوبر 2021ء، صفر المظفر/ ربیع الاوّل ۱۴۴۳ھ

فہرست مضامین

اداریہ	معاذ احمد جاوید	04
درسِ قرآن	عبید الرحمٰن ابوحذیفہ	05
درسِ حدیث	اسامہ احسن	07
حجۃ الوداع کا پیغام	محمد فارس نوشاد فلاحی	9
اسی سے نوعِ انساں پھر ہدایت کی سوالی ہے	اسامہ عظیم فلاحی	15
مخلوط تعلیم کا سائنسی تجزیہ	عبداللہ	18
ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی	مختار احمد مکی	21
ولاء اور براء: محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ	ابوصدف مدنی	26
صلیبی جنگوں سے امریکی ''وار آن ٹیرر'' تک	شاہنواز فاروقی	30
گوشۂ خواتین: عورت سیرت رسولؐ کے آئینے میں	مریم جمیلہ فلاحی	33
بک ریویو: افغانستان آخری صلیبی جنگ کا نقطۂ آغاز	مبصر: ابوالفیض اعظمی	36
گوشۂ اطفال: اللہ کے مددگار	خان مبشرہ فردوس	38
اقبالیات: محراب گل افغان	شیر خالد	40
رپورٹ: بعنوان: دوڑو اپنے رب کی طرف		41

چیف ایڈیٹر

معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر

اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت

- پرویز نادر
- فیض الرحمٰن
- حذیفہ احمد جاوید
- صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر

پرویز نادر

زرتعاون

فی شمارہ: -/20

سالانہ: -/220

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

اداریہ

تاریخ کے افق پر مختلف قومیں اور گروہ اٹھتے اور گرتے رہے ہیں۔ان میں سے بعض اقوام وملل خالص نظریات اور ادیان کی بنیاد پر اٹھیں، تو بعض نے مخصوص خطہ زمین میں بسنے والے لوگوں کو ایک گروہ یا قوم تسلیم کیا اور مخصوص تہذیب کی برتری ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔علاقہ اور نسل کی بنیاد پر ہونے والی اس انسانی تقسیم نے ''قومیت'' جیسے خوں ریز نظریہ کو جنم دیا، جس کے نتیجہ میں تاریخ کی دو عظیم خونی جنگیں، جنگ عظیم اول و دوم برپا ہوئیں۔صرف ان ہی دو جنگوں میں ۸ر کروڑ انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔نظریہ قومیت کی اسی سفاکیت کو اقبال نے تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے فرمایا:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

ہمارے ملک کے کچھ سیاسی بازی گر اس بحث کو از سر نو زندہ کر کے بھولے و نادان لوگوں کو اپنے دام میں پھانس رہے ہیں۔ان کا یہ کہنا ہے کہ بھارت کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے پورو ج (اسلاف) ایک ہی ہیں چنانچہ ان کا ڈی۔این۔اے۔ایک ہے۔اس لئے دھرم کے آدھار (بنیاد) پر کوئی تفریق مناسب نہیں ہے۔مزید یہ کہ بھارت میں بسنے والے تمام لوگ طریقۂ عبادت کے اختلاف کے باوجود، تہذیبی طور پر ہندو ہی ہیں۔آئیے! دیکھیں کہ ظاہری طور پر سادہ سا یہ جملہ اپنے اندر کس درجہ کی قباحت رکھتا ہے اور اگر بروقت اس کی پکڑ نہ کی گئی تو یہ ہماری تہذیبی شناخت پر کیسے منفی اثرات مرتب کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو اس دنیا میں بھیجا اور ان کے ذریعہ سے نسل انسانی کو پروان چڑھایا۔اس طرح سے تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہوئے۔لیکن ہم سب کے خالق کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ ایک ہی ماں باپ کی نسل سے نکلنے والے انسان کی فطرت میں بغاوت اور روگردانی کا ایسا خمیر پایا جاتا ہے جو نسلی وحدت کے شیرازہ کو بہت آسانی سے پارہ پارہ کرسکتا ہے۔چنانچہ انسان کو دنیا میں بھیجتے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو متنبہ کر دیا تھا کہ ''تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لئے کسی خوف و رنج کا موقع نہ ہوگا۔'' (البقرہ) نسلی و قبائلی عصبیت کے اسیر مشرکین مکہ کو قرآن نے بارہا یہ سمجھایا کہ ''کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے چلے جائیں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستہ کی انہیں خبر ہی نہ ہو؟'' (البقرہ) یعنی کامیابی کا مدار باپ دادا کی پیروی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی ہدایت پر عمل کرنے پر ہے۔تاریخ انسانی اس بات پر گواہ ہے کہ حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک تمام انبیاء کرام کے اپنے گھر والوں نے ہی ان کی مخالفت کی اور نتیجتاً ضال و مضل قرار پائے۔ان کو نبی کے باپ، بیٹے اور بیوی ہونے کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔خود آں حضرتؐ نے جب دعوت حق بلند کی تو لوگوں نے آپؐ کو باپ دادا کے دین کی خلاف ورزی کا طعنہ دیا اور آپؐ کی مخالفت میں سگے چچا ابولہب سے لے کر تمام عزیز و اقارب نے بھرپور حصہ لیا۔مکہ میں اس دعوت کے گرد ابتداً جو لوگ جمع ہوئے ان میں سے کسی کو اپنے ماں باپ کی ناراضگی برداشت کرنی پڑی، تو کسی کو بیٹوں کی، لیکن پھر بھی ان کے پائے استقامت لرزہ براندام نہیں ہوئے۔کیوں کہ ان اولوالعزم اصحاب کو بخوبی علم تھا کہ یہ رشتہ داریاں اور قرابتیں تو محض اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے ساتھی ہیں، جب کہ دعوت حق کا ساتھ تو دونوں جہان کی کامیابی کا باعث ہوتا ہے۔ہمارا موقف بھی یہی ہونا چاہئے کہ ہم باپ دادا کی غلطیوں کو غلط سمجھیں اور ان کی اندھی تقلید سے باز آجائیں۔

حالیہ دنوں میں چھیڑی گئی اس بحث سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی خاص خطہ زمین میں پیدائش کی وجہ سے اس سے منسوب ہر بھلی بری چیز کو ہم سر آنکھوں پر بٹھالیں گے۔اس علاقہ سے متعلق ہر شخصیت کو اپنا ہیرو ماننا کیا ہمارے لیے لازمی ہوگا۔یا اس خطہ میں مشہور ہر یاوہ گوئی کو پوروجوں کی جیون شیلی (اسلاف کے طرز زندگی) کے نام پر ہم قبول کرتے چلے جائیں گے۔معمولی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک غیر فطری فکر ہے جو ہم پر تھوپی جارہی ہے۔

انسان دنیا کے مختلف علاقہ میں مشیت الٰہی کے تحت آباد ہوئے اور انہوں نے مختلف بود و باش، زبان اور بیان اختیار کیے۔کسی خاص علاقہ میں کھان پان اور لباس وہاں کے حالات، موسم اور علاقائی تقاضوں کی بنیاد پر ہی اختیار کیے جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مختلف خطہ زمین میں بسنے والے لوگوں کی طرز زندگی مختلف ہوتی ہیں۔اسی طرح حالات اور ماحول انسان کے مزاج اور نفسیات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔وہ علاقہ جہاں بنیادی ضروریات زندگی آسانی سے مہیا نہیں ہیں وہاں کے لوگ زیادہ جفاکش ہوتے ہیں۔ہر علاقہ کے مخصوص مزاج، نفسیات، کھان پان اور لباس اس کا بنیادی تعارف ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر علاقہ میں الگ الگ خوبیاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں۔ہمارا یہ طریقہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے علاقہ کی خوبیوں اور خامیوں میں فرق کرسکیں۔یہی معاملہ ایک ہی علاقہ میں پائے جانے والے مختلف خاندانوں اور قبیلوں کا ہوتا ہے۔اپنے علاقہ اور خاندان کی مخصوص چیزوں سے محبت تو فطری امر ہے لیکن اس بنیاد پر دوسروں کو کمتر سمجھنا مناسب نہیں۔اسی اصول کو فاطر ارض وسماء نے بیان کیا ہے کہ ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔۔۔'' (الحجرات) یعنی ہمارے علاقہ میں پائی جانے والی ہر تہذیب و روایت کو ہم اختیار کرسکتے ہیں، بشرطیکہ وہ اللہ سے بغاوت کی بنیاد پر قائم نہ کی گئی ہو۔ہمارے اسلاف میں سے جو اللہ سے ڈر کر زندگی گزار تا رہا وہ ہمارا ہیرو ہے۔ہماری تہذیب اسلام سے ماخوذ ہے۔اور یہ ہمارا پورا اختیار ہے کہ ہم اپنی اسلامی شناخت کے ساتھ اس ملک میں سر اٹھا کر زندگی گزاریں۔

(معاذ احمد جاوید)

درسِ قرآن

عبید الرحمٰن ابو حذیفہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

رسولؐ اللہ سے تعلق کے عملی تقاضے

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۡ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الأعراف:۱۵۷)

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمّی ہے جسے وہ اپنے پاس تورات میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ رسول ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتا ہے اور بری باتوں سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان پر حلال اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتا ہے سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے، اس کی عزت کی، اس کی مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

زمانہ نزول:

سورۃ الأعراف مکی ہے۔ اس سورہ میں رسالت کے مسئلہ پر تاریخی شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔

مرکزی مضمون:

رسالت پر ایمان لانے کی دعوت اور انذار کا پہلو غالب ہے۔

پچھلی آیتوں کی مختصر وضاحت:

پچھلی آیتوں میں بنی اسرائیل کی سرکشی کی کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی رحمت صرف انھیں لوگوں کا حصہ ہے جو رسول کی مخلصانہ پیروی کریں۔ پیروی کا محض دعویٰ کرنے سے کوئی شخص یا گروہ اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں ہوگا۔ بنی اسرائیل اس کی زندہ مثال ہیں اور آج بھی اللہ کے دامن رحمت میں جگہ پاسکتے ہیں بشرطیکہ محمدؐ پر ایمان لا کر اتباع کریں۔

اَلَّذِیْنَ ..... الْاُمِّیَّ

اس آیت میں الذین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ لفظ اُمّی (ان پڑھ) کو نبیؐ کی امتیازی وصف کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کیونکہ پڑھا لکھا نہ ہونا اگرچہ کوئی خوبی کی بات نہیں ہے لیکن نبیؐ کے حق میں یہ بات اس لیے خوبی کی بات بن گئی کہ اس سے آپؐ کے معجزانہ شان کا ظہور ہوا۔ پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود آپؐ نے جو تعلیم دی اس کو دیکھ کر میدان علم کے بڑے بڑے سورما دنگ ہیں اور علماء، مفکرین اور اہل دانش سب آپ سے کسب فیض کر رہے ہیں گویا آپؐ کا اُمّی ہونا آپؐ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اَلَّذِیْ ..... الْاِنْجِیْلِ

اللہ کے رسول محمدؐ سے متعلق اہل کتاب اپنی کتابوں میں آپ کا تذکرہ موجود پاتے تھے۔ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تدبر القرآن لکھتے ہیں کہ:

''یہاں آنحضرتؐ سے متعلق تورات و انجیل کی جن پیشن گوئیوں کا حوالہ ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب بنی اسماعیل کے اندر ایک صاحب رسالت نبی سے پہلے ہی واقف تھے اور اس کا چرچا ان کے یہاں برابر قائم رہا ہے۔ تورات کے الفاظ ہیں ''خداوند تیرے لیے تیرے ہی درمیان تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا۔۔۔۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں

کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب لوں گا۔" (استثناء:۱۸۔۱۵۔۱۹)

یہ بات بنی اسرائیل میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتی کیونکہ یہاں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں نبی مبعوث کرنے کی بات کی گئی ہے۔اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ صرف نبی نہیں ہوگا بلکہ رسول بھی ہوگا اس لیے کہ تورات کے الفاظ میں ہے کہ میری مانند اور میری مانند سے مراد موسیٰ ہیں اور حضرت موسیٰ رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔"(تدبر القرآن، جلد ۳ ص ۲۷۴)

اس کے علاوہ اہل کتاب کی کتب میں متعدد نشانیاں رسولؐ اللہ کے متعلق ملتی ہیں جن میں آنے والے نبی کی بشارت اور ان پر ایمان لانے کے لئے اہل کتاب کو حکم دیا گیا تھا۔ان میں سے متعدد لوگوں نے ایمان لا کر اپنے آپ کو عذاب سے بچالیا جب کہ بہت سے اہل کتاب نے گھمنڈ اور تکبّر میں ایمان لانے سے اس لیے انکار کر دیا کہ نبی تو ہماری قوم میں نہیں آیا ہم کیوں اس پر ایمان لائیں۔

يَأْمُرُهُمْ ..... الْمُنْكَرِ

معروف: معروف کے لفظی معنی ہے جانا پہچانا ہوا۔
منکر: منکر کے لغوی معنی ہے اجنبی جو جانا پہچانا نہ ہو۔

معروف سے وہ نیک کام مراد ہیں جو شریعت اسلام میں جانے پہچانے ہوں اور منکر سے وہ برے کام مراد ہیں جو دین و شریعت میں اجنبی ہوں یا جس کی دین میں کوئی حیثیت اور وقعت نہ ہو۔اس آیت میں نبیؐ کی خصوصیت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عنی المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی طرف لانے کا کام کر رہے ہیں جس میں ان کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہے۔وہ تو صرف اس دن کے عذاب سے لوگوں کو بچانا چاہتے ہیں جو بہت ہی ہیبت ناک ہے۔جس دن کی ناکامی سب سے بڑی ناکامی ہوگی لہٰذا اس میں فائدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو رسول پر ایمان لائیں اور اس کی اتباع کریں۔

وَيُحِلُّ ..... الطَّيِّبَاتِ

بہت سی پاکیزہ اور پسندیدہ چیزیں جو بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں، رسول اللہؐ نے ان کی حرمت کو ختم کر دیا مثلاً حلال جانور کی چربی وغیرہ۔

وَيُحَرِّمُ ..... الْخَبَائِثَ

اس سے مراد سود رشوت وغیرہ ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ رسولؐ تم کو پاک چیزوں کی طرف بلاتے ہیں اور تم سے گندگی کو دور کرنا چاہتے ہیں جب کہ تمہارا معاملہ یہ ہے کہ تم نجس چیزوں میں رہنا پسند کرتے ہو۔

وَيَضَعُ ..... عَلَيْهِمْ

اور یہ رسول ان (اہل کتاب) پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتا ہے۔پچھلی شریعت میں کچھ سخت چیزیں تھیں مثلاً قتل کے بدلے قتل ضروری تھا، دیت یعنی معافی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ کپڑے پر نجس (گندگی) لگ جائے تو اسکو کاٹ دینا ضروری تھا وغیرہ۔رسولؐ کی آمد سے ان میں آسانیاں پیدا کر دی گئیں اور جن توہمات، بدعات اور سختی میں ملوث تھے اس سلسلے میں ان کے لیے آسان احکام آئے لیکن پھر بھی ان کی بڑی تعداد دین اسلام کی دشمن بنی رہی۔

فَالَّذِينَ ..... الْمُفْلِحُونَ

آیت کے اس ٹکڑے میں کامیابی کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ایمان: عمل کے لیے بنیادی شرط ایمان ہے۔اگر ایمان نہ ہو تو کوئی عمل اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگا۔

(۲) رسول کی اتباع: ہر معاملہ میں رسول کی اتباع کی جائے اور ان کی مدد کی جائے۔ اس وقت ہمارے درمیان اللہ کے نبیؐ موجود نہیں لہٰذا مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی مدد کی جائے، ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو دنیا والوں تک پہنچایا جائے دوسرے لفظوں میں اگر کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اقامت دین کا فریضہ انجام دیا جائے اور دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ دین کی مدد کی جائے۔

(۳) رسول کی تعظیم: رسول کی دل و جان سے تعظیم و تکریم کی جائے، ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنی زندگی گزاری جائے اور ان کی باتوں کو بلا تردد قبول کیا جائے۔

(۴) قرآن کی اتباع: سماجی، سیاسی اور معاشی معاملات قرآن کے مطابق حل کیے جائیں چاہے بظاہر اس کا نقصان ہو یا فائدہ اور اسی کی آیات کی روشنی میں زندگی گزاری جائے۔ان تمام صفات کو اپنانے والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔اس آیت کی تفسیر میں صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت کے شروع میں یتبعون الرسول النبی الامی (وہ پیروی کرتے ہیں نبی امی کی) اور آخر میں "و اتبعوا النور الذی انزل معه" ان میں سے پہلے جملے میں نبی اُمّی کے اتباع کا حکم ہے اور آخری جملہ میں قرآن کے اتباع کا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نجات کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں کے اتباع پر موقوف ہے۔"
(معارف القرآن، جلد ۴، ص ۸۷)●●●

درس حدیث
اسامہ احسن

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : لَا یُؤمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِہٖ.
(بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہوجائے۔“

اسلام کے بنیادی عقائد میں توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ ”رسالت“ ہے۔ رسالت پر ایمان کے بغیر کوئی شخص توحید اور آخرت کے بھی تصورات کو واضح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ دنیا کے تمام مفکرین اور دانشوران مل کر عقل دوڑائیں اور کائنات کے فلسفے نیز ابتداء و انتہاء سے متعلق کوئی نظریہ قائم کریں تو وہ درست نہ ہوگا کیونکہ گرچہ ان کے پاس عقل ہے جس سے وہ غور وفکر کریں مگر جس نتیجے پر بھی وہ پہنچیں گے اس کی بنیاد ظن وتخمین پر ہی ہوگی کیونکہ علم یقین حاصل کرنے کا کوئی ایسا ذریعہ ان کے پاس نہیں ہے جو حقیقت کے بارے میں رہنمائی کرے۔

”إِنَّ الظَّنَّ لا یُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا“ (یونس: ۳۶)

”اور گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔“

یہی وجہ ہے کہ دنیائے قدیم وجدید کے جتنے بھی مفکرین اور دانشوران گزرے ہیں اور انھوں نے نور نبوت ورسالت سے بے نیاز ہوکر غور وفکر کیا تو وہ اگر ایک پہلو پر درست رائے قائم بھی کر لیتے ہیں تو دوسرے پہلو پر ٹھوکریں کھاتے نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اندھیرے کمرے میں کوئی چیز تلاش کرنے والے اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس صحیح وسالم آنکھیں تو ہیں مگر کوئی چراغ نہیں ہے جس کی روشنی میں وہ مطلوبہ چیز کو پاسکے، چنانچہ وہ اندھیرے میں ہاتھ ٹٹولتا اور بھٹکتا رہتا ہے، لہٰذا یہی وہ کمزوری تھی جس کو دور کرنے اور جس کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کا سلسلہ قائم کیا اور اس کا مقصد یہ متعین کیا کہ بھٹکے ہوئے، ناواقف راہ، انسانوں کی وحی الٰہی کی روشنی میں صحیح راستے کی طرف رہنمائی کریں، چنانچہ ارشاد ہے:

”قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا ۔ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیَاتِ اللّٰہِ مُبَیِّنَاتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ“ (الطلاق: ۱۰۔۱۱)

”اللہ نے تمہاری طرف نصیحت نازل کی ہے یعنی ایک رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام بھی کیے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔“

اب اگر کسی کو حقیقت کا علم جاننا ہے تو وہ نبوت و رسالت کے چراغ کو ہاتھ میں لے کر نیز اپنی بصیرت وبصارت کا استعمال کرتے ہوئے ہی حقیقت کا علم پاسکتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آدمی کو اپنی کمزوریوں اور چراغ کی روشنی کا احساس ہو، اسی وجہ سے سب سے پہلے ”رسالت“ پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے، فرمایا:

”فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمَاتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ“ (الأعراف: ۱۵۸)

”پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول اُمّی نبی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔“

”یَآ اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ“ (النساء: ۱۷۰)

”اے لوگو! تمہارے پاس رسول آچکا تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک بات لے کر پس مان لو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔“

یہ ایمان لانا اس یقین کے ساتھ مطلوب ہے کہ رسول صادق اور امین ہوتا ہے، وہ اللہ کا خالص پیغام پہنچاتا ہے، وہ انسانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ، کذب وافتراء سے پاک اور اللہ کا بندہ ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مامور من اللہ ہوتا ہے، اپنے اختیار سے کوئی بات نہیں کہتا نہ ہی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، وہ تو بس وحی الٰہی کا پابند ہوتا ہے۔

”وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى“ (النجم: ۲۔۳)

”تمہارا رفیق نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے۔“

اس کی حیثیت مطاع و متبع کی ہوتی ہے جس کو تسلیم کیے بغیر محض رسالت کا اقرار کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، لہٰذا نبی اور رسول وحی الٰہی کی روشنی کو لے کر جس طرف رہنمائی کریں طالب حق کو چاہیے کہ وہ ان کو اپنا رہنما تسلیم کرے اور اس کے پیچھے پیچھے چلے ورنہ وہ صحیح معنوں میں طالب حق نہ ہوگا۔

”وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ“ (النساء: ۶۴)

”اور ہم نے کبھی کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اللہ کے حکم سے اس کی تابعداری کی جائے۔“

یہ اطاعت و پیروی اس قدر مکمل ہو کہ جذبات و خیالات اور غور و فکر کا انداز بھی وہی ہو جو رسول کی لائی ہوئی شریعت چاہتی ہے۔ جب شریعت کے مزاج سے سوچنے سمجھنے کا انداز میل کھائے گا تبھی اطاعت و پیروی کا اعتبار ہوگا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِهِ.“

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہو جائے۔“

اطاعت و پیروی کا اعتبار اس وقت تک بھی نہیں ہوگا جب تک یہ اطاعت و پیروی خوشدلی کے ساتھ نہ ہو، اگر یہ خوشدلی و رضامندی اطاعت و پیروی سے جدا ہو جائے تو ایمان کی بھی خیر نہیں رہتی، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

”فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا“ (النساء: ۶۵)

”سو تیرے رب کی قسم ہے، یہ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں پھر تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں۔“

ایمان بالرسالت کے اہم باب میں سے رسول سے والہانہ محبت والفت بھی ہے۔ یہ محبت والفت اس انتہاء کو پہنچی ہوئی ہو کہ رسول کی ذات اور اس کی شخصیت ہی ایمان والوں کے لیے سب کچھ ہو بلکہ زندگی کا حاصل ہو۔ رسول سے محبت اس کے علاوہ تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہو تب کہیں جا کر ایمان کی تکمیل ہوگی، چنانچہ رسولؐ اللہ کا فرمان ہے:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ“ (النسائی)

”تم میں سے کوئی مکمل ایمان والا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے عزیز نہ ہو جاؤں۔“

فداکاری و جانثاری کا یہی وہ مطالبہ تھا جس کو صحابہ کرامؓ نے پورا کیا تھا، جس کے نتیجے میں آسمان و زمین کی برکتیں ان کے لیے اُبل پڑیں، زمین کے خزانے ان کے قدموں میں ڈال دیئے گئے اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا خطاب دیا گیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو، غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ جب حضورؐ کو یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا چالیس نفری قافلہ جدید اسلحہ اور غذائی رسد لیے ہوئے ملک شام سے مکہ کے لیے چل پڑا ہے تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا تو سعد بن عبادہؓ اٹھے اور کہا:

”يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا، وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا“ (مسلم)

”اے اللہ کے رسولؐ آپ ہمیں سمندر میں اپنے گھوڑوں کو ڈالنے کا حکم دیں تو ہم بلا پس و پیش سمندر میں اپنے گھوڑوں کے ساتھ گھس پڑیں گے اور اگر ہمیں حکم دیں کہ برک الغماد تک گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ اور دشمن سے لڑو تو ہم اسے بھی کر گزریں گے۔“

اسی مجلس میں جب آپؐ سفیان کے قافلے کو روکنے کے لیے مشورہ کر رہے تھے کہ اچانک یہ خبر

(بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

حجۃ الوداع کا پیغام

محمد فارس نوشاد فلاحی

خطبۂ حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ:

۹ر ذی الحجہ ۱۰ھ بمطابق ۷ر مارچ ۶۳۲ء کو نبی سرورِ عالم خاتم النبیینؐ نے ڈیڑھ لاکھ فرزندان توحید کے عظیم الشان مجمع میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبہ کو حجۃ الوداع ، حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام و حجۃ الاتمام بھی کہتے ہیں لیکن زیادہ مشہور نام حجۃ الوداع ہے۔

وداع، واو کے زبر کے ساتھ اس کے معنیٰ آتے ہیں رخصت کرنا، اور حجۃ الوداع اس حج کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے حج کی فرضیت نازل ہونے کے بعد ۱۰ر ہجری میں ادا کیا۔ اس حج کا یہ نام اس لیے پڑا کہ نبی ﷺ نے اس حج میں احکام شریعت کی تعلیم دی ، صحابہ کرامؓ کو رخصت کیا اور اس دنیا سے اپنے رخصت ہونے کی خبر انھیں دی۔

حجۃ البلاغ اس لیے کہ یہ خطبہ ابلاغ و تبلیغ کا کمال ہے نیز خطبہ مبارک کے دوران بار بار ألاھل بلغت فرمارہے تھے ، اور اس کے جواب میں حاضرین و مخاطبین کا جواب یہ ہوتا قد ادیت و بلغت و نصحت، ہاں بیشک آپ نے فرض رسالت ادا فرمادیا اور پیغام حق بتمام و کمال پہنچادیا۔

حجۃ الاسلام اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ یعنی نچوڑ تھا۔

حجۃ الکمال و اتمام اس لیے کہ آپ ﷺ کا مقدس مشن اسی مرحلہ پر اتمام و اکمال کو پہنچا اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ر اسی مبارک موقع پر نازل ہوئی۔

حجۃ الوداع کا پس منظر:

متعدد کتب سیرت میں حجۃ الوداع کا پس منظر اور اس کی پیشگی تیاری کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ صحیح مسلم میں نبی ﷺ کی روانگی کا وقت اور دن کی تعیین کی گئی ہے۔ ہم یہاں مختصراً اس پس منظر کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔ ۹ر ہجری میں حج کی فرضیت نازل ہوئی اور اس سال نبی ﷺ نے ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا۔ اس سال لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت میں حج ادا کیا۔ ماہ ذی قعدہ میں نبیؐ نے اپنے اطراف و اکناف میں یہ اعلان کردیا تھا کہ نبیؐ حج کے لیے تشریف لے جارہے ہیں۔ ماہ ذی قعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپؐ نے غسل فرمایا، چادر اور تہبند باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ میں شب بھر اقامت فرمائی اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہؓ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے آپؐ کے جسم مبارک پر عطر ملا، اس کے بعد آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر قصوا پر سوار ہوکر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے "لبیک اللّٰھم لبیک"۔ حضرت جابرؓ اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی آدمیوں کا جنگل نظر آتا، نبیؐ جب لبیک فرماتے تو ہر طرف اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے۔

اس کے بعد نبیؐ نے لوگوں کو مناسک حج اور حج کا طریقہ بتایا اور عرفہ کے دن جبل الرحمت کے پاس مسلمانوں کے عظیم الشان مجمع میں وہ عظیم خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں شمع رسالت کے

پروانے اپنے محبوب کی آواز سننے کے لیے سراپا خاموش تھے، آپؐ نے اس دن وہ جامع اور بے مثالی خطبہ ارشاد فرمایا جس کی تمام انسانوں کو ضرورت تھی۔ خطبہ کا پہلا فقرہ یہ تھا جو بڑا دردانگیز ہے، جس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ تاجدار مدینہ سرور عالمؐ اب پوری دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ لوگو! میری بات سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے کبھی مل سکوں۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت:

خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلاشبہ یہ خطبہ حقوق انسانی کا پہلا عالمی منشور ہے، جس کے ذریعہ نبیؐ نے پوری انسانیت کو مخاطب کیا، جس میں تمام بنی نوع انساں کے لیے ہدایت اور فلاح کا سامان موجود ہے۔ ڈاکٹر طاہری القادری اس خطبے کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''آپؐ کی پوری زندگی انسانیت نوازی اور تکریم انسانیت کی تعلیمات سے عبارت ہے، تاہم آپؐ کی حیات مبارکہ میں انسانی حقوق کے تحفظ اور عملی نفاذ کے حوالے سے یہ خطبہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔''

رومانیہ کا مشہور غیر مسلم ادیب سیرت نگار کوسٹن ویژیریل نبیؐ کے اس خطبے کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

''جب ہم یہ خطبہ پڑھتے ہیں تو باوجود یہ کہ ہم یوروپی ہیں اور پیغمبر اسلام کی آواز ہم نے نہیں سنی اور نہ ہم اس مقام پر اس مجمع میں موجود تھے پھر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تو ان لوگوں کا کیا کہنا جو اس روز جبل الرحمۃ میں حضرت محمدؐ کی آواز سن رہے تھے اور آپؐ کی طرز ادا کو دیکھ رہے تھے۔''

نامور مصنف ایکٹو اس خطبے کی اہمیت بیان کرتا ہے:

''آسمان نے روز وشب کی ہزار کروٹیں بدلیں لیکن احترام انسانیت کے لیے اس سے زیادہ پُر درد اور پُرخلوص آواز نہیں سنی۔''

حجۃ الوداع کا پیغام اور اس کی عصری معنویت:

نبیؐ کی پوری زندگی مشکلوں اور پریشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ ذرا اس سماج اور معاشرے کا تصور کریں جہاں بتوں کی پوجا ہوتی تھی، کفر وشرک کا بول بالا تھا، خدا کو لوگ بھول بیٹھے تھے، انسانی حقوق اور جان ومال کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، یہ معاشرہ بالکل وحشی ہو چکا تھا ایسے میں اللہ تعالیٰ کو اپنے بگڑے ہوئے بندوں پر رحم آیا اور اس نے انھیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جس نے انھیں اللہ کے بارے میں بتایا، اس کے حقوق یاد دلائے، بندوں کے حقوق کو بتایا، غرض اس نبی اُمّی نے اس ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام کے نور کو منور کر دیا جس سے ان کی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔ ان کے اخلاق کو بدل ڈالا، معیار ورجحان بدل گئے، سوچنے سمجھنے کے زاویے بدل گئے اور زندگی کے آخری لمحے میں تمام انسانوں کے لیے وہ ارشادات بیان فرمائے جس کی انھیں ضرورت تھی اور انسانیت جس کے لیے تڑپ رہی تھی۔ نبیؐ کے اس عظیم الشان عالمی منشور کا جس پہلو سے بھی مطالعہ کیا جائے وہ اپنے آپ میں ایک بے نظیر مثال رکھتا ہے، فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے، قانونی اور معاشرتی پہلو سے نہایت مفید ہے۔ سیاسی اور معاشی پہلو سے بھی نہایت عمدہ ہے جس میں انسانیت کی فلاح اور بہبود ہے۔ عصر حاضر میں جب دنیا اور اس دنیا کے رہنے والے بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہیں، ہر شخص کو اپنے مفاد اور دھندے کی فکر لگی ہے، ہر چہار جانب ظلم وعدوان، ناانصافی و بے ایمانی عام ہوتی جارہی ہے۔ انسانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا پاس ولحاظ نہیں، مادیت کی طرف انسان بگٹٹ دوڑ رہا ہو اور واقعہ یہ ہے کہ انسان انسان کو کھائے جارہا ہو، طاقت ور کمزور پر ظلم ڈھا رہا ہو، مظلوم کی آہ و بکا کو سننے والا کوئی نہ ہو، ظالم دندناتا پھر رہا ہو، عالمی قوانین کی کوئی اہمیت نہیں، ہر روز اس کا جنازہ اٹھتا ہے، حقوق نسواں پر قانون بنانے والے بے بس، لاچار، مجبور ہیں۔ جہاں پورے عالم میں امن وسکون، صلح وآشتی، انصاف، محبت وشفقت رخصت ہو چکا ہو ایسے میں یہ خطبہ انسانیت کے لیے عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے اور بلاشبہ ہم بغیر خوف وتردد کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطبہ تمام حقوق کے نام نہاد منشوروں اور دستاویزوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے انسانیت کی فلاح وکامیابی کا راز پنہا ہے، ترقی وکامرانی کی منزل انسانیت اسی سے طے کر سکتی ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

دفعہ (۱): جان ومال کی حرمت اور عزت وآبرو کے تحفظ کا حق:

إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ

حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، فَسَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا فَلاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (مسلم)

''لوگو! تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! عنقریب تمہیں اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔''

غور کریں یہ تاریخی اعلان سرورِ عالمؐ کی زبان اقدس سے جاری ہو رہا ہے۔ نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کے عظیم الشان مجمعے میں، سبحان اللہ کتنی عظیم بات ارشاد فرمائی کہ تمہاری جان و مال ایک دوسرے پر حرام ہے اس شہر کی حرمت کی طرح، جیسا کہ تم اس مہینے کو محترم سمجھتے ہو۔ آپؐ کا محض یہ اعلان نہیں تھا بلکہ عالمی منشور تھا جس میں انسانی عزت و آبرو، جان و مال کے تحفظ کا حق فراہم کیا گیا، ذرا اسلام کی آمد سے قبل عرب کی اس بگڑی ہوئی سوسائٹی کا اندازہ لگائیں جہاں عزت و آبرو، انسانی شرف و تعظیم، جان و مال کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں تھی، لوگ کسی قانون و ضابطے کے پابند نہیں تھے، طاقتور کمزور پر چڑھ دوڑتا، جب چاہتا اس کے مال کو ہڑپ کر جاتا، ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے اموال و مویشیوں کو لوٹنے کے لیے ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ اس دفعہ پر بڑا ہی قیمتی نوٹ تحریر کرتے ہیں:

''عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا قتل کر دیتا اور جس کا مال چاہتا چھین لیتا۔ آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح و آشتی کا پیغام سناتا ہے۔''

اس حدیث کے آخری جملے پر غور کریں جس میں آپؐ نے خاص ہدایت امت مسلمہ کو یہ فرمائی: دیکھو باہم جنگ و جدال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا، اگر ایسا ہوا تو انتہائی گمراہی کی بات ہوگی، چونکہ نبی اکرمؐ کو امت کو پیش آنے والے واقعات و احوال کا بخوبی اندازہ تھا کیونکہ آپؐ اللہ کے پیغمبر تھے، آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی اور مستقبل میں رونما ہونے والے حالات اور واقعات آپ کو بتا دیے گئے تھے کہ کہیں لوگ مال و دولت کے چکر میں ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگیں۔ معارف الحدیث میں مولانا منظور نعمانی نے ضلالاً کے بعد کفاراً کا لفظ نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باہم جنگ و جدال، خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رویہ ہے۔ اگر امت اس میں مبتلا ہوگئی تو اس نے اسلام کے رویے کے بجائے کافرانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔

دفعہ (۲): دور جاہلیت کی رسم انتقام کا خاتمہ:

''أَلَا كُلُّ شَيْءٍ من أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابن رَبِيعَةَ بن الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضِعاً في بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ'' (مسلم)

''لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں، جاہلیت کے قتل کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں، پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ھذیل نے اسے مار ڈالا تھا۔''

زمانہ جاہلیت میں انتقام در انتقام کی رسمیں رائج تھی۔ عربوں کے اندر قبائلی تعصب اور نسلی تفاخر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں اور پھر لڑائی کا نہ ختم ہونے والا غیر منقطع سلسلہ جاری رہتا۔ ایک شخص کے قتل کیے جانے پر پورا قبیلہ مرد و خواتین پر مشتمل اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مقتول کے انتقام کے لیے جنگ میں کود پڑتا۔ عرب اپنے بچوں کی پرورش اسی طرز پر کرتے، انھیں بچپن ہی میں مشتعل مزاج بناتے، جوش اور ولولہ ان کے دل و دماغ میں پیدا کرتے۔ ان کی قبائلی حمیت اور غیرت کو للکارتے تاکہ یہ بھی بڑے ہو کر انہی کے نقش قدم پر چلیں اور مقتول کا انتقام لیں، یہ لڑائیاں اس وقت تک جاری رہتیں جب تک مقتول کا انتقام نہ لے لیا جاتا۔ سیرت نگاروں اور مؤرخین نے ان جنگوں کو ایام العرب کے نام سے موسوم کیا۔ آپؐ نے اس دفعہ میں جاہلیت کے رسم انتقام کا خاتمہ کر کے انسانیت کو امن و سکون، سلامتی و عافیت کا پیغام دیا۔

چنانچہ علامہ شبلی رقم طراز ہیں:

''آج پہلا دن تھا (حجۃ الوداع) اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت

کے تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا گیا۔"

دفعہ (۳): سود کا خاتمہ

"وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِباً أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بن عبد الْمُطَّلِبِ فإنه مَوْضُوعٌ كُلُّهُ" (مسلم/ابو داؤد)

"اور زمانہ جاہلیت کا سود ملیا میٹ کر دیا گیا ہے، پہلا سود جو میرے خاندان کا ہے جو میں مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، وہ سب کا سب چھوڑ دیا گیا ہے۔"

سود کی ظالمانہ قرارداد کو سمجھنے سے قبل زمانہ جاہلیت میں مروج سود کی نوعیت کو سمجھنا ہوگا۔ دور جاہلیت میں سود کو بڑی اہمیت حاصل تھی جس میں امیر امیر تر اور غریب بیچارہ ظلم اور معاشی استحصال کی چکی میں پستا رہتا۔ ڈاکٹر طاہر القادری زمانہ جاہلیت میں سود کی نوعیت بیان کرتے ہیں کہ:

"زمانہ جاہلیت میں سود کی نوعیت یہ ہوتی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ماہوار مقررہ شرح سود پر کچھ مدت کے لیے روپیہ قرض دیتا لیکن جب وہ میعاد گزر جاتی تو قرض خواہ مقروض کی عدم ادائیگی پر اس وقت تمام سود اصل میں شامل کر کے اصل کو بڑھا دیتا جب تک قرض دار ایک بارگی کل روپیہ ادا نہ کر دیتا، ہر مدت کے بعد سود اصل میں شامل ہوتا رہتا اور سود پر سود بڑھتا رہتا۔"

سود کے خاتمے کا آغاز نبی کریمؐ نے اپنے گھر سے کیا، جس میں عباس بن عبدالمطلب کے سودی معاملات کو کالعدم قرار دیا جس سے ایسے ظالمانہ اور استحصالی نظام کی جڑ کٹ جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے آپؐ نے اس سلسلے کو ختم کر دیا۔ چنانچہ علامہ شبلیؒ اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھتے ہیں:

"تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلّم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔"

دفعہ (۴): نسلی و قبائلی اور لسانی تفاخر کے خاتمہ کا اعلان:

"يَاأَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، كُلُّكُمْ لِآدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى" (مسند احمد)

"لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری نہیں اور کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت حاصل نہیں مگر ہاں تقوی کے سوا (تم میں سب سے زیادہ بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہو)"

دور جاہلیت میں چونکہ عرب رنگ و نسل، زبان و بیان کے تفاخر میں مبتلا تھے، عرب غیر عرب کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے، انہیں عجمی کہتے تھے، قریشی غیر قریشی کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس مبارک موقع پر نبی اکرمؐ نے اس تفاخر کو توڑ کر سب کو برابر کھڑا کر دیا اور عالمی مساوات انسانی کی بے نظیر مثال قائم کر دی۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرمؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بلال بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ جب حضرت بلالؓ چڑھ کر اذان دینے لگے تو ایک طوفان مچ گیا کیونکہ بلال تو کالے تھے اور ان کا تعلق حبشی النسل سے تھا، وہ عربی نہیں تھے لیکن نبیؐ کے اعلان کے بعد کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ کچھ کہہ سکے۔ نبیؐ نے اس تفاخر کو مٹا دیا لیکن افسوس نبیؐ نے عربوں کے اندر سے جس تفاخر کا خاتمہ کیا تھا آج اس کا سلسلہ اسی رفتار سے جاری ہے۔ رنگ و نسل، طبقات و قبائل کا تفاخر آج بھی عالمی سطح پر نظر آتا ہے۔ مغربی دانشور ارنلڈ ٹوائن۔ بی نبی اکرمؐ کے اس اہم کارنامے کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"محمدؐ نے اسلام کے ذریعہ انسانوں سے رنگ و نسل اور طبقاتی امتیاز کا یکسر خاتمہ کر دیا۔ کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جو محمدؐ کے مذہب کو نصیب ہوئی۔ آج کی دنیا جس ضرورت کے لیے تڑپ رہی ہے اسے صرف مساوات محمدیؐ کے ذریعہ ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔"

دفعہ (۵): عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور ان کے حقوق کا تحفظ:

"فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غير مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ" (مسلم)

"لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو

اپنی بیوی بنایا ہے اور اللہ کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے) نہ آنے دے لیکن اگر وہ ایسا کرے تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو، عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ۔"

اسلام کی آمد سے قبل عورتوں کے سماجی، معاشرتی و معاشی مقام و مرتبے کا تصور محال تھا۔ عہد جاہلیت میں عورت محض مردوں کے جذبات وخواہشات کی تسکین و تکمیل کا سامان سمجھی جاتی تھی، گویا زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک قسم کی مخلوق تھی جن کا مصرف صرف ترقیٔ نسل اور مردوں کی خدمت کرنا تھا۔ جاہلی معاشرے میں لڑکی کی پیدائش باعث عار سمجھی جاتی تھی، بنت حوا کی پیدائش کو بدنصیبی خیال کیا جاتا اور اکثر اسے زندہ دفن کر دیا جاتا۔ قرآن مجید بھی عہد جاہلیت کے اس قبیح رسم کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

"اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا، اس بری خبر سے چھپتا پھرتا، آیا اس مولود کو ذلت کی حالت میں لیے رہے یا اسے مٹی میں زندہ درگور کر دے۔" (النحل:۵۸)

لیکن آج وہ دن تھا جس میں نبیؐ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، عورتوں پر جاہلیت میں ہونے والے مظالم کا خاتمہ کر دیا اور اسے حقوق اور انسانی شرف کی وہ ضمانتیں فراہم کیں جو اسلام میں موجود ہیں۔ علامہ شبلی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد بڑا قیمتی نوٹ لکھتے ہیں:

"آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں جو قمار بازیوں میں داؤ پر چڑھائی جاتیں۔ آج پہلا دن ہے کہ گروہ مظلوم یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدر دانی کا تاج پہنتا ہے۔"

دفعہ (۶): غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق:

"اَرْقَاءَکُمْ اَرْقَاءَکُمْ اَرْقَاءَکُمْ اَطْعِمُوْھُمْ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ وَاکْسُوْھُمْ مِمَّا تَلْبِسُوْنَ فَاِنْ اَتَوْا بِذَنْبٍ لَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَغْفِرُوْہُ فَبِیْعُوْا عِبَادَ اللّٰہِ وَلَا تُعَذِّبُوْھُمْ" (مسند احمد)

"لوگو! اپنے غلاموں کا خیال رکھو، اپنے غلاموں کا خیال رکھو، اپنے غلاموں کا خیال رکھو، جو تم کھاتے ہو وہی انھیں کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو انھیں بھی وہی پہناؤ، اگر ان سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جسے تم معاف نہ کر سکو تو اللہ کے بندو انھیں بیچ دو لیکن انھیں سزا نہ دو۔"

دنیا میں غلامی کی تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب انسان نابلد تھا، شعور زندگی اور مقصد زندگی سے ناواقف تھا، وہ اپنے رب کو جانتا تھا اور پہچانتا نہیں تھا، اسے آدمیت اور انسانی حقوق سے کوئی سروکار نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ غلامی کی تاریخ میں جنگوں کا مرکزی کردار ہے۔ نبیؐ کی آمد سے قبل دنیا کے ہر خطے میں غلامی رائج تھی، بازاروں میں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی، بڑی بڑی منڈیاں سجتیں، جو شخص اس کا مالک ہوتا وہ انھیں انسان نہیں سمجھتا، ان کے ساتھ آقا جانوروں جیسا سلوک کرتا۔ ڈاکٹر طاہر القادری غلاموں پر ہونے والے مظالم کی داستان ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی، آقا ان کی جان و مال کا مالک ہوتا، غلاموں کے قتل کی کوئی سزا بھی نہیں تھی، ان سے ہر طرح کے پُرمشقت کام لیے جاتے اور ادنیٰ سی لغزش اور سرتابی کی بڑی سخت سزا دی جاتی، تقریباً پوری دنیا میں غلامی کا یہی حال تھا۔"

حجۃ الوداع کے مبارک موقع پر نبیؐ نے سوسائٹی کے سب سے مظلوم و کمزور طبقے کو اس کے حقوق فراہم کیے۔ آپؐ نے اس موقع پر اعلان کر دیا کہ جو آقا ہیں وہ ان کا خیال رکھیں وہ بھی تو انسان ہیں، انھیں بھی اسی نعمت کو کھانے کا حق ہے جو تم کھاتے ہو۔ غرض آپؐ نے آقا و غلام کے امتیاز کو مٹا کر ایک عالمی بے مثال انسانی مساوات قائم کر دی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

دفعہ (۷): قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین:

"قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ، فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا: کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ" (الحاکم/بیھقی)

"اے لوگو! یقیناً میں تمہارے درمیان ایسی شے چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔"

نبیؐ نے یہ یقین دہانی اپنے بعد آنے والی تمام نسلوں کو دی ہے تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے ان دونوں سرچشموں سے رہنمائی کسی زمانے

کے ساتھ خاص نہیں ہے ۔ رحمت للعالمین کے مصنف لکھتے ہیں:

''قارئین اس خطبے پر ذرا غور کریں ، نبیؐ نے کیوں الوداعی خطبوں میں قرآن پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور کیوں کر قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کے لیے یہ حتمی وعدہ کیا کہ وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔''

دفعہ(۸):لاقانونیت کا خاتمہ:

''اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَۃُ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا، مِنھَا أَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَۃٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُو الْقَعْدَۃِ وَذُو الْحِجَّۃِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَیْنَ جُمَادَی وَشَعْبَانَ'' (ابوداؤد/بخاری)

''ابتداء میں خدا نے جب آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ آج پھر اسی نقطے پر آ گیا ہے، سال کے بارہ مہینے جن میں چار قابل احترام ہیں۔ تین تو متواتر مہینے ہیں، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب المرجب کا مہینہ جو جمادی الثانی وشعبان کے بیچ میں ہے۔''

دروس سیرت کے مصنف نبیؐ کی اس قرارداد پر بڑا قیمتی نوٹ لکھتے ہیں:

''نبیؐ نے یہ تاریخی اعلان فرمادیا کہ زمانہ اب اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر پہلے تھا۔ دراصل اہل عرب عہد جاہلیت اور آغاز اسلام میں ان مہینوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے تھے۔ حضرت مجاہد وغیرہ کے بقول وہ حج دوسال کسی مخصوص مہینے میں کرتے پھر اگلے دو سال کسی دوسرے مہینے میں، آپؐ نے حجۃ الوداع کے مبارک موقع پر یہ اعلان فرمادیا کہ زمانہ گھوم پھر کر آج دوبارہ اسی نقطے پر آ گیا ہے جس پر ابتدا میں تھا یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرکے اس کے ساتھ کھلواڑ نہ کرو، آج کے بعد حج ہمیشہ ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوگا۔

دفعہ(۹): شیطانی مکروفریب سے بچاؤ:

''أَیُّھَا النَّاسُ! فَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ یَئِسَ مِن أَن یَعْبُدَ بِأَرْضِکُمْ ھٰذِہٖ اَبَدًا وَلٰکِنَّہُ اِن یُطَاعَ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِکَ فَقَدْ رَضِیَ بِہٖ مِمَّا تَحْقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ عَلٰی دِیْنِکُمْ'' (سنن ابن ماجہ)

''لوگو! شیطان اس بات سے بے شک مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، مگر چونکہ رہنا وہ اس بات پر راضی ہوگا کہ اس (پرستش) کے سوا چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے، پس اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر اس سے بچتے رہنا۔''

شیطان تو بالکل مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرۃ العرب میں اب بتوں کی پوجا نہیں ہوگی لیکن چھوٹے چھوٹے کاموں میں شیطان اپنی بات ضرور منوائے گا، جسے تم بہت حقیر سمجھتے ہو اور یہ کام کروا کے وہ بہت خوش ہوگا، خبردار! ان جھوٹی بدعات اور خرافات اور شیطانی ترغیب کی وجہ سے ان سے بچتے رہنا وہ تمہارے عقیدے پر حملہ نہیں کرے گا لیکن تمہیں ایک دوسرے کے خلاف ابھارے گا، بھڑکائے گا کہ تم ایک دوسرے کے عقیدے پر حملے کرو۔ تم اس کے بہکاوے میں ایسا نہ کرنا، یاد رکھو! شیطان شکست کھا چکا ہے لیکن وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا اس لیے اس سے بچتے رہنا۔

دفعہ(۱۰): اسلام کے فرائض کی تلقین اور ختم نبوت کا اعلان:

یَا أَیُّھَا النَّاسُ أَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ لَا أُمَّۃَ بَعْدَکُمْ علی فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوا خَمْسَکُمْ وَصُومُوا شَھْرَکُمْ وَأَدُّوا زَکَاۃَ أَمْوَالِکُمْ طَیِّبَۃً بِھَا أَنْفُسَکُمْ وَتُحَجُّوْنَ بَیْتَ رَبِّکُمْ وَ أَطِیْعُوْا وَلَاۃَ أَمْرِکُمْ تَدْخُلُوا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ'' (مسنداحمد)

لوگو! نہ میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہونے والی خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، مہینے کے روزے رکھا کرو، اپنے اموال کی زکوۃ نہایت خوشدلی کے ساتھ دیا کرو، خانہ خدا کا حج بجالاؤ اور احکام کی اطاعت کرو، جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کی فردوس بریں میں داخل ہو جاؤ۔''

اس دفعہ میں نبیؐ نے ختم نبوت کا اعلان کر دیا کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آنے والا ہے اور نہ کوئی نئی امت آنے والی ہے لہٰذا دین مبین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت و ترویج کی ذمہ داری تمہارے کاندھوں پر ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان کا تذکرہ کیا اگر تم ان فرائض کو بخوبی انجام دیتے ہو تو آسانی کے ساتھ جنت میں داخلے کا ٹکٹ مل سکتا ہے۔ اور آخر میں نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

'' تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا: آپؐ نے رسالت کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے اللہ کے پیغام کو ہم تک پہنچا دیا۔ نبیؐ نے اس لمحہ اپنی انگلی سے

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

اسی سے نوع انساں پھر ہدایت کی سوالی ہے

اسامہ عظیم فلاحی

امن کی تلاش اور عدل وانصاف کا حصول ہمیشہ انسانی سماج میں موضوع بحث رہا ہے۔ یہ الفاظ اتنے جامع اور اپنے اندر اتنی معنویت رکھتے ہیں کہ دنیا کے ظالم اور جابر حکمرانوں کو بھی اس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اس حقیقت کے باوجود امن اور عدل و انصاف سے انسانی سماج اکثر و بیشتر محروم رہا ہے۔ امن و انصاف کے قیام کا دور جدید لاکھ دعویٰ کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نعروں کے پردے میں سب سے زیادہ امن کو غارت کیا گیا، انسانی سماج کو مہلک بیماریوں کی سوغات دی گئی، اس سماج کو کیمیکل اور بارود کے ڈھیر پر لاکھڑا کیا گیا، نسلی، لسانی، رنگت اور علاقوں کی بنیاد پر تقسیم کرکے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا گیا اور پھر ان لکیروں کے تحفظ کے نام پر ہر ملک کے امن وسکون کو مستقل خوف میں بدل دیا گیا۔ دنیا بھر کے ممالک ایک دوسرے سے خوف کی وجہ سے ہتھیاروں کا اس قدر ذخیرہ اکٹھا کر چکے ہیں کہ اس دنیا کو کئی دفعہ مکمل تباہ کیا جاسکتا ہے۔

دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑ بندیوں نے دنیا کی بیشتر آبادی کو اس قدر غریب بنا دیا ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے، ہر ملک اقتصادی طور پر دوسرے ملک کو پیچھے کرنے کے لئے ہر طرح کی غیر انسانی حرکتیں ملکی مفاد کے نام پر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، چاہے ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے انسانی بحران ہی کیوں نہ پیدا ہو جائے۔ اس وقت دنیا میں جس قدر مہاجرین کی تعداد پائی جاتی ہے اتنی تعداد تاریخ کے کسی زمانے میں نہیں رہی ہے۔

کہنے کے لئے تو آج کی دنیا میں حقوق کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ جیسا عالمی ادارہ بھی موجود ہے، انصاف کے حصول کے لیے ضلع سے لیکر عالمی پیمانے تک کی عدالتیں موجود ہیں لیکن یہ عدالتیں حصول انصاف کا ذریعہ تو کجا ظلم کی مددگار بنی ہوئی ہیں۔ انصاف کے پیمانے ہر ایک کے یہاں الگ الگ ہیں۔ بلاشبہ جدید دور کی ایجادات بے انتہا ہیں، زندگی سے لطف اندوز ہونے کے جتنے ذرائع آج دستیاب ہیں اتنے کبھی نہیں تھے، انسانوں کے لئے بے شمار آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں لیکن یہ ساری چیزیں چند فیصد افراد کے ہی بس میں ہیں، دنیا کی آبادی کی اکثریت اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ کہا جائے تو انسانوں کے مسائل کم ہونے کے بجائے بڑھنے کے ساتھ ساتھ مشکل اور پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں اور دنیا کے پاس اس کا کوئی مستقل حل نہیں ہے۔ اگر دنیا کو کسی نظام میں اپنے مسائل کا حل نظر آتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو دنیا کی طاقتیں جنگ چھیڑ کر اس سے ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتی ہیں۔

آج سے چودہ سو سال قبل جزیرۃ العرب کے باشندے اپنی کچھ خوبیوں کے باوجود امن وسکون سے محروم تھے، ان کے درمیان قبائلی عصبیتوں کی بنیاد پر سالہا سال جنگیں جاری رہتیں، کسی کے حقوق کی ضمانت نہیں تھی، کمزور طبقات تختۂ مشق بنے ہوئے تھے، خواتین کے تحفظ اور ان کے حقوق کا وجود ہی نہیں تھا، خدا کی مخلوقات کے سامنے سجدہ ریز ہو کر انسان روزآنہ اپنے آپ کو سینکڑوں دفعہ ذلیل ورسوا کرتا، ایسے عالم میں خدائے ذو الجلال والاکرام کی رحمت جوش میں آتی ہے اور انسان کی حرماں نصیبی کا دور ختم ہونے کا وقت آپہنچتا ہے اور انسان اپنے

حقیقی مقام سے واقف ہوکر اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

نبی پاکؐ خدائی تعلیم کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کے اندر جب تک اپنے خالق ومالک کا حقیقی شعور اور آخرت میں جوابدہی کا احساس پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک سماج میں کسی بھی قسم کی پائیدار اور نتیجہ خیز تبدیلی ناممکن ہے۔آپ کی بعثت کے وقت عرب بہت بڑے بڑے مسائل سے دوچار تھے، آپ چاہتے تو خاتمہ غربت کی تحریک چلاکر سرمایہ داروں کا تخت الٹ دیتے اور عوام آپ کا ساتھ دیتی لیکن اس تحریک کا انجام بالآخر ایک دوسرے سرمایہ دارانہ گروپ کے وجود کی شکل میں ظاہر ہوتا اور ایک دوسری کشمکش شروع ہوجاتی۔ آپ چاہتے تو ناانصافی کے خلاف تحریک برپا کردیتے لیکن خوف خدا اور احساس جوابدہی سے عاری کوئی گروپ زیادہ دیر تک انصاف کی راہ پر قائم نہیں رہ پاتا۔ آپ چاہتے تو منتشر عربوں کے اتحاد کا نعرہ بلند کرتے لیکن اس کے نتیجے میں عرب امپیریلزم ہی پیدا ہوتا، غرض یہ کہ نبی کریمؐ کے سامنے درجنوں ایسے نعرے تھے جن کی بنیاد پر وہ انسانوں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے تو کوئی بعید نہیں کہ عوام آپ کا ساتھ نہ دیتی لیکن آپؐ کو معلوم تھا کہ جب تک دلوں کو ہر قسم کی گندگی، چاہے وہ بت پرستی کی گندگی ہو یا شرک کی، وہ گندگی قبائلی عصبیت کی ہو یا حسب ونسب کے تکبر کی، وہ گندگی بدعات و خرافات کی ہو یا جہالت کی، سے صاف کرکے اس میں ایمان باللہ کا نور، احتساب آخرت کا احساس اور رسول کی غیر مشروط اطاعت کو داخل نہ کردیا جائے انسانوں کے مسائل کے حل کی ٹھوس بنیاد فراہم نہیں ہوسکتی۔

اللہ کے رسولؐ نے ان بنیادوں پر قرآن کی روشنی میں ایک ایسے سماج کی تشکیل کی جو قیامت تک کے انسانوں کے لئے اسوۂ ہے۔اس سماج کا ہر فرد احساس جوابدہی سے کانپتا ہوا نظر آئے گا، اس سماج میں ایک کالے حبشی غلام کو سردار کا مقام حاصل ہوتا ہے، اس سماج میں غیر اسلامی ادیان ومذاہب کے افراد کو تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے، اس سماج میں جج کے سامنے ایک عام آدمی اور وقت کا خلیفہ برابر کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے خلاف فیصلہ کو وقت کا خلیفہ قبول کرتا ہے، اس سماج میں معاشی ناہمواری کا وجود نہیں ہوتا، اس سماج میں لوگوں کی آمدنی پر نظر رکھنے کے بجائے اس بات پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے کہ کوئی بھوکا نہ سوئے، اس سماج کے حاکم کو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ اس کی ریاست میں کوئی جانور بھوکا یا پیاسا مرگیا تو وہ اللہ کے سامنے کیا جواب دے گا، اس سماج میں لوگ ضرورت مندوں کو تلاش کرتے ہیں لیکن آسودگی اس قدر ہے کہ کوئی مدد لینے والا نہیں، اس سماج میں ایک خاتون ہاتھوں میں سونا اچھالتی ہوئی ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتی ہے اور اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا غرض یہ کہ رحمت للعالمین نے ایک ایسا سماج کھڑا کیا جہاں امن وانصاف کا بول بالا ہوا، انسانی جان کی حرمت قائم ہوئی اور سارے لوگ قانون کی نگاہ میں نظری اور عملی طور پر یکساں قرار پائے اور انسانیت اپنے حقیقی مقام پر فائز ہوئی۔ اسلامی حکومت اور اسلامی سماج نے ایک طویل مدت تک انسانوں کو امن وانصاف اور حقوق کے تحفظ کا جام پلایا لیکن ہم خود ہی داستاں کہتے کہتے سوگئے تو شیطان اور اس کے حواری ہمارے نعروں کو لے اڑے اور ان کی آڑ میں تاریخ کی خطرناک ترین انسانیت سوزی اور حیوانیت و درندگی کا نہ صرف کھیل کھیلا گیا بلکہ اسے نت نئے فلسفوں کے ذریعے جواز بخشنے کی جسارت بھی کی گئی۔

ایک شخص سوال کرسکتا ہے کہ آج دوبارہ وہی نظام اور وہی سماج کیسے قائم ہوسکتا ہے جب کہ رسول اللہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، نیز ان کے اسوۂ کو ہم کیوں اور کیسے آج اختیار کرسکتے ہیں؟

ان سوالات کے جوابات بہت مشکل نہیں ہیں۔آپ کسی اسوہ کے قابل عمل ہونے کی کوئی بھی کسوٹی بنالیں اور اس کسوٹی پر دنیا بھر کے قائدین اور تاریخی شخصیات کو رکھ کر ناپیں۔ اللہ کے رسول کی شخصیت ہر اعتبار سے کامل، احسن اور قابل اتباع نظر آئے گی۔

تاریخی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا ذات ایسی ہے جن کی زندگی کا ایک ایک گوشہ مستند ترین ذرائع سے محفوظ ہے۔غلط طریقے سے انکی زندگی میں کوئی چیز بڑھائی جاسکتی ہے نہ گھٹائی جاسکتی ہے۔دنیا کی کسی بھی شخصیت کو دیکھا جائے تو اس کے ساتھ سینکڑوں غیر مستند باتیں اور افسانے مل جائیں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں اس طرح کی باتیں سوچی بھی نہیں جاسکتی۔

اسی طرح سے آپ کی زندگی کاملیت کا آئینہ ہے۔زندگی کے ہر گوشے کے لئے آپ کا قولی

اور عملی نمونہ موجود ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں آپ کی نظری اور عملی رہنمائی موجود نہ ہو۔ دنیا بھر کی شخصیات کو دیکھ جائیں، انکا نمونہ زندگی کے کسی ایک گوشے کی رہنمائی بمشکل کر رہا ہوگا۔ کوئی صرف امن کا داعی ہوگا تو کوئی انفرادی تزکیہ کی طرف بلا رہا ہوگا۔ کوئی جنگ کا سورما ہوگا تو کوئی فلسفہ کا امام لیکن کوئی شخصیت ایسی ہو جو زندگی کے جملہ انفرادی و اجتماعی مسائل میں نمونے کے مقام پر فائز ہو تو وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

دنیا بھر کے لیڈروں کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں ہر طرف افراط و تفریط نظر آئے گی، کوئی مار کھا کر چپ رہنے کی تلقین کر رہا ہوگا تو کوئی ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں سے دور رہنے کی تلقین کر رہا ہوگا، کسی کی زندگی سراپا جنگ وجدال ہے تو کسی کی زندگی مادہ پرستانہ فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں منہمک، لیکن نبی آخر الزماں کی زندگی پڑھ جائیں تو وہ جامعیت کا اعلیٰ نمونہ بن کر سامنے آئے گی، ان کی زندگی میں غریبوں کی داد رسی ہے تو ظالموں سے پنجہ آزمائی بھی ہے، خواتین کی عزت اور حقوق کا تحفظ ہے تو بیوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے، حاکم ہیں تو عدل و انصاف کا بول بالا ہے اور حق کے لیے اپنی پیاری بیٹی کے خلاف فیصلہ دینے کے لئے آمادہ ہیں، سپہ سالار ہیں تو شجاعت اور بہادری آپ پر ختم ہے، امن کی خاطر اپنے جانی دشمنوں سے ہر وقت صلح کے لیے تیار ہیں لیکن اگر کوئی اس خوبی کو کمزوری سمجھنے کی احمقانہ کوشش کرتا ہے تو اس کے لئے فولاد بھی ہیں، غرض یہ کہ جامعیت کا شاہکار ہے آپ کی زندگی۔ دنیا کے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے بہت سارے اقوال یا ان کی زندگی کے کئی پہلو ایسے ہیں جن پر عمل ناممکن یا انتہائی دشوار ہے، لیکن آنحضور کی زندگی کا ہر گوشہ نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ اس پر چل کر انسان کی سرخروئی کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ موجودہ دور میں بہت ساری اقوام نے آپ پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود آپ کے اسوۂ حسنہ سے استفادہ کر کے مشکل حالات میں کامیابیاں حاصل کی ہیں کیونکہ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ قیامت تک قابل عمل ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی عمومی طور پر پوری دنیا کے لیے آج بھی نمونہ ہے۔ آج انسانیت جس طرح کے خطرناک نفسیاتی، سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل سے دوچار ہے ان کا حل موجودہ دور کے کسی نظریہ حیات کے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی کھلے ذہن سے رسول عربیؐ کی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے وہ ان کا اسیر ہو جاتا ہے اور اسے اپنے درد کا درماں مل جاتا ہے۔ باطل طاقتیں رسول اللہ کی شخصیت سے سب سے زیادہ اپنے بغض وحسد کا اظہار صرف اس وجہ سے کرتی ہیں کہ انکی زندگی ظالموں اور جابروں کے نظام کے لیے سب بڑا خطرہ ہے، وہ انہیں نعوذ باللہ دہشت گرد تک کہنے سے باز نہیں آتے، انکے ماننے والوں پر عرصہ حیات تنگ کی جاتی ہے، جو لوگ ان کے مشن کے حامل ہیں ان کو زنداں کے حوالے کر کے عدالتی کارروائیوں کے شکنجے میں کسا جاتا ہے، یہ ساری کوششیں ان کی شکست کی علامت ہیں اور رسول عربیؐ کے اسوۂ حسنہ کی قبولیت کی گواہ ہیں۔ باطل ہزاروں چالیں چل لے لیکن رسولؐ اللہ کے نظام کا راستہ نہیں روک سکتا کیونکہ حفیظ میرٹھی کے بقول:

اسی سے نوع انساں پھر ہدایت کی سوالی ہے
وہ ہادی جس نے دنیا دین کے سانچے میں ڈھالی ہے

●●●

(بقیہ صفحہ ۸ کا)

ملی کہ مشرکین مکہ کا ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر مکمل ہتھیاروں سے لیس ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشاں مٹا دینے کا ارادہ لے کر نکل پڑا ہے تو اس وقت مشورہ کا رخ بدل گیا اور کفار سے مقابلہ کی بات ہونے لگی، اس وقت آپؐ لوگوں سے ان کی رائیں لے رہے تھے کہ حضرت مقدادؓ بڑھے اور کہا:

''اے اللہ کے رسولؐ ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر دشمنوں سے لڑو، نہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے۔'' یہ تھا ایمان بالرسالت کا مفہوم جس کا عملی ثبوت صحابہ کرامؓ دیتے رہے، ان اوصاف کے حامل افراد جب دنیا میں ہوں تو سرخروئی وسربلندی ان ہی کا حصہ ہوگی اور آخرت میں بھی اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے مستحق وسزاوار وہی ہوں گے۔

اللّٰھم وفقنا لما تحب و ترضی۔

●●●

مخلوط تعلیم کا سائنسی تجزیہ

عبداللہ

اسلام نے مسلمانوں کو ایک اعلیٰ اور جامع نظام معاشرت عطا کیا، جس میں مخلوط محفلوں کی اجازت نہیں ۔ اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے ۔ حضرت محمدؐ بیشک انسانی تاریخ کے سب سے کامیاب ٹیچر اور پروفیسر تھے ۔ حضورؐ کا طالب علموں کو پڑھانے کا طریقہ مخلوط تعلیم پر مشتمل نہ تھا ۔ حضورؐ نے اصحاب صفہ (جو مرد طالب علموں پر مشتمل تھا) کی تعلیم کے لیے علاحدہ دن مقرر کیے ہوئے تھے اور خواتین کی تعلیم کے لیے علاحدہ دن مقرر کیے ہوئے تھے ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو امت کی ماں ہیں، ان کا طریقۂ تعلیم بھی ایسا تھا کہ وہ مردوں کو تعلیم پردے کے پیچھے سے دیتی تھیں ۔ اسلام کی پوری تاریخ دیکھ لیں، مسلمانوں کی درس گاہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علاحدہ ہوا کرتی تھیں اور یونیورسٹی لیول تک علاحدہ ہی ہوتی تھیں ۔

مخلوط تعلیم کا نظام تو دراصل مغربی تعلیم نظام کا مرہون منت ہے ۔ اس کی ابتداء ۱۹۰۰ء کے اوائل میں ہوئی اور ۱۹۵۰ء کی دہائی میں تحریک نسواں کے علمبرداروں (Feminists) نے اس طرز تعلیم کو وسیع پیمانے پر عام کرنے کی کوشش کی، تاکہ عورتیں نہ صرف باہر مردوں کے شانہ بشانہ ''چل سکیں'' بلکہ اسکولوں اور کالجوں میں بھی مردوں کے شانہ بشانہ ''بیٹھ سکیں'' ۔ تحریک نسواں کے علمبرداروں کی معنوی اولاد یعنی NGO's نے آج کل اس بیڑے کو اٹھایا ہوا ہے ۔ سمجھ نہیں آتی کہ تحریک نسواں میں صرف نام کا ''نسواں'' ہے وگرنہ اُن کا مقصد ہر میدان میں عورت کو بے پردہ کرکے مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کرکے اس کی نسوانیت کو ختم کرنا ہوتا ہے ۔ پچھلے ۳۰ سالوں میں مغرب میں مخلوط تعلیم کی پے در پے ناکامیوں کو دیکھ کر یہاں کے ارباب فکر و نظر نے اب غیر مخلوط تعلیم (single-sex education) کی صدا بلند کی ہے اور بہت زور سے کی ہے ۔

اس باب میں مخلوط تعلیم کے نقصانات اور غیر مخلوط تعلیم کی برکات کا مذہب اور سائنس کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے گا:

مخلوط تعلیم کے نفسیاتی نقصانات:

لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک کلاس میں جمع ہونا نفسیاتی اور حیاتیاتی (Biological) لحاظ سے تباہ کن ہوتا ہے ۔ امریکی مفکر جورج گلڈر (George Gilder) اپنی کتاب "Men & Marriage" میں لکھتا ہے کہ:

''مخلوط تعلیم میں لڑکے اور لڑکیاں جلدی بالغ ہو جاتے ہیں ۔ اس پر مستزاد یہ کہ بلوغت کے وقت لڑکوں کے جسم میں مردانہ ہارمون (Testoserone) عام حالات کے مقابلے میں دس سے بیس گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ شدید نفسیاتی اور جنسی ہیجان کا شکار ہوتے ہیں ۔ لڑکیوں میں زنانہ ہارمونز Progesterone اور Estrogens کی وجہ سے بلوغت کے دور میں سستی اور ڈپریشن عام ہوتا ہے ۔ ایسے حالات میں ان کی اکثریت جنس مخالف کے متعلق ہی سوچتی رہتی ہے ۔''

پھر جورج گلڈر لکھتا ہے:

" If you do not believe

this, you are a dreamer."

'اگر آپ لوگ اس بات کو نہیں مانتے تو آپ خوابوں کی دنیا میں بس رہے ہیں۔''

(Gilder, George(2001) Men and Marriage, Louisiana, Pelican Publishing Company.)

دلچسپ بات یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی مردوں اور عورتوں کے احساسات یہی رہتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں جہاں مخلوط تعلیم ہے وہاں معاشقے ، پسند کی شادیاں (Love Marriages) اور گھر سے بھاگنے کے واقعات اسی ماحول کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

گولڈ کوسٹ (Gold Coast) کے ساؤتھ پورٹ اسکول کے پرنسپل ڈاکٹر بروس کک (Dr.Bruce Cook) نے ایک بہت بڑے اسکول کے پرنسپل ہونے کی حیثیت سے اپنا تجربہ بیان کیا:"

"Boys in single sex school don't have the constant presence of girls reminding them of how they look. You know',Am I looking OK for the girls?

(West Andrew (July 6, 2003)"The boys who will be gentlemen" Sydney Morning Herald.)

''غیر مخلوط اسکولوں میں لڑکیاں موجود نہیں ہوتیں کہ جن کی موجودگی لڑکوں کو ہر وقت یہ احساس دلائے کہ وہ کیسے نظر آرہے ہیں۔یعنی کیا میں لڑکیوں کو خوبصورت نظر آؤں گا۔''

لڑکے اور لڑکیاں مختلف انداز سے سیکھتے ہیں:

امریکہ کی مشہور جامعہ ورجینیا یونیورسٹی (Virginia Tech) کی خاتون سائنس دان ڈاکٹر ہیرٹ ہنلن (Dr.Harriot Hanlon) نے ایک تحقیق میں دو ماہ سے ۱۶ برس کی عمر کے ۲۸۴ لڑکوں اور ۲۲۴ لڑکیوں کے دماغوں کی کارکردگی (brain activity) کا مشاہدہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ لڑکیوں کے دماغ کے وہ حصے جن کا تعلق زبان دانی (Language) سے ہوتا ہے، وہ لڑکوں سے ۶ برس زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور لڑکوں کی جہتی یادداشت (spatial memory) لڑکیوں سے چار برس زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہیں۔

اس لیے لڑکے اور لڑکیاں Language، حساب، جغرافیہ بالکل مختلف انداز میں سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کی باریک حرکت (digital coordination) یعنی پنسل پکڑنے اور اچھی لکھائی میں لڑکے لڑکیوں سے نو ماہ دیر سے مہارت حاصل کرتے ہیں، کیونکہ لڑکوں کی انگلیوں میں nerves لڑکیوں کے مقابلے میں زیادہ دیر سے نشوونما پاتی ہیں۔

(Hanlon,Harriet, Robert Thatcher and Marvin Cline (1919). "Gender Differences in the Development of EEG Coherence in Normal Children." Developmental Neuropsychology 16 (3) 479-506.)

حاصل کلام یہ کہ اکثر اوقات نشوونما کے اس فرق کو سمجھنے کی وجہ سے ماہرین تعلیم، اساتذہ اور والدین لڑکوں کو نالائق یا پڑھائی میں آہستہ قرار دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے لڑکوں میں اسکول کے اول روز سے پڑھائی کے لیے نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ امریکی خاتون فلسفی کرسٹینا ہاف سومرز (Christina Hoff Sommers) اپنی کتاب The War against Boys میں لکھتی ہے:

''حقائق کا تجزیہ بتاتا ہے کہ تعلیم میں لڑکیوں کے بجائے لڑکوں سے زیادتی ہو رہی ہے۔ لڑکے اوسطاً لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت میں لڑکیوں سے ڈیڑھ سال پیچھے ہوتے ہیں۔ وہ اسکول سے کم تعلق رکھتے ہیں اور کالج جانے کے امکانات بھی کم ہی ہوتے ہیں۔''

(Sommers, Christina Hoff (2000)The War against Boys. New York, Simon& Schuster.)

نتیجتاً شروع عمر سے ہی لڑکے اسکول سے بدظن ہو کر اس کے متعلق معاندانہ احساسات پیدا کر لیتے ہیں جو کہ ان کی ساری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ امریکہ کی اسٹین فورڈ یونیورسٹی (Stanford University) کے شعبہ تعلیم کی پرنسپل پروفیسر ڈیبرہ سٹائی پیک (Prof Deborah Stipek) اور ان کی معاون

دوسری خاتون ٹریسیا ویلسکی (Tricia Velski) نے اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کیا کہ جو لڑکے کنڈر گارڈن میں اچھی کارکردگی نہیں دکھاسکتے، وہ قابلیت کے متعلق منفی شعور اپنے اندر پیدا کرلیتے ہیں اور یہ منفی نظریات اسکول کے بقیہ زمانے میں تبدیل کرنا مشکل ہوتے ہیں۔

(Valeski, Tricia& Deborah, Stipek (2001)."Young Children's Feeling about School." Child Development 72 (4): 1198-1213)

ایسے حالات میں دونوں جنسوں کو کیسے ایک کلاس میں ساتھ بٹھا کر ایک ہی طریقے سے تعلیم دی جاسکتی ہے؟

لڑکے اور لڑکیوں کی قوت سماعت میں فرق:

پچھلے چالیس سال کی سائنسی تحقیقات کے مطابق لڑکیوں کی قوت سماعت لڑکوں کے مقابلے میں بچپن ہی سے تقریباً چارگنا زیادہ تیز ہوتی ہے۔(مثلاً خاتون سائنس دان جین کیمڈی اور کیرن ڈٹی (پی ایچ ڈی) کی تحقیق جو Journal of Music Therapy میں چھپی) کے مطابق قوت سماعت کا یہ فرق لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں دوررس اثرات کا حامل ہوتا ہے۔مثال کے طور پر ایک مخلوط کلاس جس میں لڑکیاں آگے بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں اور لڑکے پیچھے، اگر ٹیچر آہستہ آواز میں لیکچر دے تو آخری صفوں میں بیٹھے لڑکے اپنی شرارتوں میں مشغول ہوں گے، کیونکہ انہیں ٹیچر کی آواز نہیں آرہی ہوگی۔اس کے برعکس اگر ٹیچر زوردار آواز میں لیکچر دے تاکہ سب لڑکوں تک آواز پہنچے تو آگے بیٹھی ہوئی لڑکیاں جن کی قوت سماعت پہلے ہی لڑکوں سے چارگنا زیادہ ہوتی ہے، انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ ٹیچر کی آواز ان کے کان پھاڑ رہی ہے۔لڑکوں اور لڑکیوں کی قوت سماعت کے اس پیدائشی فرق کی وجہ سے دونوں کی تعلیم کا واحد حل دونوں جنسوں کی علاحدہ علاحدہ کلاسیس ہیں۔

ڈاکٹر لیونارڈ سیکس (Leonard Sax, M D , PhD) جو کہ National Association for single sex public education کے بانی و ڈائریکٹر ہیں اور فیملی ڈاکٹر اور سائیکالوجسٹ بھی ہیں۔وہ بیان کرتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیوں کے دماغوں اور نفسیات میں فرق اتنی گہری جڑیں رکھتے ہیں کہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں کو ایک ہی کلاس روم میں بیک وقت کامیابی کے ساتھ پڑھایا جاسکے۔ ایک انٹرویو میں ڈاکٹر لیونارڈ نے کہا ''تعلیم کے معاملے میں آپ جو بھی طریقہ اختیار کریں گے، وہ کسی ایک جنس کو فائدہ دے گا تو دوسری جنس کو نقصان پہنچے گا''۔

انھوں نے مزید بتایا:

''لڑکیاں لڑکوں سے اچھا اور تیز سنتی ہیں اور لڑکوں کے پڑھائی میں ناکامی کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکوں کو پوری طرح ٹیچر کی آواز ہی نہیں پہنچتی''۔

(Horsey, Jen "Boys continue to struggle with reading and writing." Toronto (CP)

اس طرح کے مسائل غیر مخلوط تعلیم (separate-gender classrooms) میں نہیں پائے جاتے۔

لڑکیوں اور لڑکوں کے سیکھنے میں فرق۔ ایک موازنہ:

لڑکیاں: (۱) ریسرچ سے یہ پتہ چلا ہے کہ اپنے دماغ کی ساخت کی وجہ سے لڑکیوں کو پڑھائی کے لیے دوستانہ اور رحمدل فضا کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) ساڑھے تین سال کی لڑکیاں بھی اتنی چہرہ شناس ہوتی ہیں کہ ٹیچر کے چہرے پر ناراضگی کے آثار پڑھ لیتی ہیں اور اپنی اصلاح کرلیتی ہیں۔

(۳) لڑکیوں کے دماغ کے وہ حصے جن کا تعلق بول چال سے ہوتا ہے۔وہ چھ سال آگے ہوتے ہیں بہ نسبت اسی عمر کے لڑکوں کے۔

(۴) لڑیوں کی قوت سماعت لڑکوں کے مقابلے میں چارگنا تیز ہوتی ہے۔اس لیے لڑکیوں کو نرم اور شفیق انداز میں پڑھانا بہتر ہوتا ہے۔

(۵) لڑکیاں بغیر کڑی نگرانی کے کلاس میں بیٹھ کر پڑھائی کرسکتی ہیں اور پڑھائی پر توجہ مرکوز کرنے میں انہیں دقت پیش نہیں آتی۔

لڑکے: (۱) اپنی دماغی ساخت کی وجہ سے لڑکوں کو ڈسپلن اور غیر مخلوط ماحول کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کی صلاحیتیں نکھر سکیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

قسط نمبر ۷

ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی

مختار احمد مکی

اس کے علاوہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محمد بن قاسم سے لے کر آخر تک جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں دونوں ہی جانب سے ہندو اور مسلمان سپاہی ہوتے۔ اکثر تو یہ جنگیں باپ، بیٹے، حقیقی بھائی، چچا یا خاندان کے مختلف رشتہ داروں کے درمیان ہوتیں۔ کبھی بھی یہ خالص ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کی جنگ یا جہاد نہیں ہوتیں جس میں ہندو اپنے دھرم کے لیے اور مسلمان اسلام کے لیے لڑے ہوں۔ دونوں ملک گیری، منصب و اقتدار کے لیے لڑتے۔ تبلیغِ دین ان کا نصب العین کبھی بھی نہیں رہا بلکہ وہ آن بان کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے۔ ان کے راستہ میں جو کوئی بھی آتا اسے ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ ان جنگوں میں ہندو سردار ہندو سرداروں سے اور مسلمان مسلمان سلاطین سے لڑتے۔ یہ دونوں آپس میں بھی لڑتے۔ مسلمان سپہ سالار کے ساتھ ہندو سپاہی ہوتے تو ہندو سپہ سالار کے ساتھ مسلم سپاہی۔ محمد بن قاسم اور راجہ داہر دونوں کی فوجوں میں ہندو اور مسلمان سپاہی موجود تھے۔ محمود غزنوی کی تمام فوج کشی میں ہندوستانی راجہ یا ہندو سپاہی موجود رہے۔ شیخ حمید راجہ جے پال کی فوج کا کمانڈر تھا تو کوٹ کی لڑائی میں قلعہ بھیم کا ہندو راجہ محمود کے ساتھ تھا۔ اس جنگ کے بعد دس ہزار ہندو محمود کی فوج میں شامل ہوئے جن کا سپہ سالار سونیند رائے تھا۔ تھانیسر کی لڑائی میں محمود غزنوی کے ساتھ بارہ ہزار ہندو تھے۔ جب قنوج، مہابن اور برن (بلند شہر) پر فوج کشی ہوئی تو راجہ کشمیر سلطان محمود کے ساتھ تھا۔ حتیٰ کہ سومناتھ کی جنگ میں بھی سمندر کی جانب سے جو حملہ ہوا اس میں ہندو سپاہی کشتیوں پر سوار تھے۔ راجپوت، بندیلے اور شیواجی کے اپنے رشتہ دار اورنگ زیب کی خاطر شیواجی اور اس کے جانشینوں کے خلاف لڑے۔ مرہٹوں نے ہندوؤں کے خلاف بھی حملے کئے اور اس کے لشکر میں بڑی تعداد میں مسلمان سپاہی بھی موجود ہوتے۔

شیواجی کا خاندان

خود شیواجی کی بغاوت نہ تو مکی تھی اور نہ ہی مذہبی بلکہ ایک قبیلہ کی بغاوت تھی جو دوسرے قبیلہ کی بغاوت سے مختلف نہیں۔ شیواجی کا مقصد کبھی بھی ہندو دھرم کا احیاء نہیں رہا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شیواجی کا دادا مالوجی مسلمان پیروں کا بڑا معتقد تھا اور احمد نگر کے دربار میں ایک نامور فوجی کمانڈر تھا۔ وہ حضرت شاہ شرف کا مرید تھا جو احمد نگر میں مدفون ہیں اور اپنے پیر و مرشد کے نام پر ہی اس نے اپنے دونوں بیٹوں کا نام شاہ جی اور شرف جی رکھا تھا جو فی الحقیقت مسلمانوں کے نام ہیں۔ اس کی ماں کا ذاتی محافظ بھی کہاری مسلمان تھا اور اس کی فوج میں ایک تہائی مسلمان سپاہی تھے۔ خود شیواجی کا باپ شاہ جی مغلوں کی فوج میں شرکت کے لیے آمادہ تھا بشرط یہ کہ پونا کے قریب اس کو مناسب جاگیر مل جائے لیکن یہ معاہدہ طے نہیں پا سکا۔ خود شیواجی بابا یاقوت کلسی کا بے حد احترام کرتا تھا اور اس نے ۶۵۳ ایکڑ زمین بطور جاگیر عطا کی اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔ اس نے اپنے فرمان میں لکھا کہ حضرت بابا یاقوت بہت بڑے سنت اور صوفی ہیں کسی بھی جنگ میں جانے سے قبل

شیواجی ان سے ملنے اور ان کا آشیرواد حاصل کرنے ضرور پہونچ جاتا تھا۔اس کے بحری افواج کا سربراہ دولت خان اور رشیدی مصری تھے ۔ مداری مہتر نامی مسلم فراش نے ہی اس کو آگرہ کے قلعہ سے بھاگنے میں مدد کی تھی ۔ بیرونی ریاستوں سے رابطہ اور تعلقات قائم رکھنے کی ذمہ داری ملا حیدر علی منشی کی تھی اور اسے ہی دکن کے مغل گورنر بہادر خان کے پاس معاہدہ کے لیے بھیجا گیا تھا۔اس کا شمار شیواجی کے سب سے وفادار جنرل میں ہوتا تھا۔اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ مسلم خواتین کے ساتھ انتہائی عزت سے پیش آئیں اور انتہائی احترام کے ساتھ قرآن کے نسخوں کو رکھیں۔جب کہ دوسری جانب مغل افواج کا سپہ سالار ایک ہندو وجے سنگھ تھا۔ اپنی راجدھانی رائے گڑھ میں اپنے محل کے سامنے جہاں اس نے جگدیشور کا مندر بنوایا وہیں مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی۔

شیواجی کے پوتے ساہو کو اورنگ زیب نے آگرہ کے اپنے محل میں قید کر رکھا تھا لیکن وہاں اس نے اس کی مذہبی تعلیم کا پورا خیال رکھا اور ہندو پنڈتوں کے ذریعہ دھرم شاشتروں کی تعلیم دلائی ۔سنبھاجی کے مرنے کے بعد ساہو شیواجی کی سلطنت کا وارث مقرر ہوا۔اورنگ زیب کے احسانوں اور محبت کے احساس سے غمزدہ اورنگ زیب کے جنازہ کے ساتھ وہ خلد آباد تک گیا تو قبر میں مٹی ڈالتے ہوئے اس کی آنکھیں آنسو سے تر تھیں۔

اورنگ زیب اور ہندو منادر

جہاں تک اورنگ زیب پر متھرا اور بنارس کے مندروں کو توڑنے کا الزام ہے تو اس نے گولکنڈہ کی جامع مسجد کو بھی مسمار کرایا کیوں کہ وہاں کے حکمراں تاناشاہ نے مرکز کو خراج دینا بند کر دیا تھا اور اس کے سارے خزانے کو مسجد میں دفن کروا دیا تھا۔بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے عمارت توڑوا کر شاہی خزانہ حاصل کیا۔یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے باپ کے مزار سے چاندی کے تختے نکلوا کر اس کے سکّے ڈھلوائے اور اس سے نہریں کھدوائیں اور دریا میں پُل بنوائے ۔ وہی اورنگ زیب تقریباً ۲۵ سال تک دکن میں اجنتا اور ایلورا کے مندروں کے قریب رہا لیکن اس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔جنوبی ہندوستان کے ہزاروں مندریں آج بھی اس کی گواہ ہیں کہ کسی بھی مسلم بادشاہ نے خواہ مخواہ اس کو نہیں چھیڑا۔اورنگ زیب کے ذریعہ کسی مندر کو توڑوانے کی کوئی مستند روایت بھی موجود نہیں ۔اپنے وسیع رقبہ (شمال میں قراقرم کے پہاڑ اور آلسیس دریا سے جنوب میں دریائے کاویری تک اور مغرب میں ایران کی سرحد سے لے کر برما تک) اور طویل المدت (پچاس سالہ) دور حکومت میں مذہبی تعصب کی بنیاد پر اگر وہ مندروں کو مسمار کرتا تو ہندوستان میں آج ہندو مندر نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ جاتی اور نہ ہی شاید کوئی ہندو ہی بچتا ۔مزید یہ کہ اگر اورنگ زیب مذہب کے معاملہ میں ایسا ہی سخت اور کٹر تھا تو کیا شریعتِ اسلامی مندروں کو توڑ کر مسجد بنانے کی اجازت دیتی ہے؟ ظاہر ہے اسلام دوسروں کی زمین یا کسی بھی مذہبی جگہ کو چھین کر یا غصب کر کے یا زور زبردستی قبضہ کر کے مسجد بنانے کی کبھی بھی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن مجید میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں مال و دولت حاصل کرنے یا ملک گیری اور لوگوں کو پامال کرنے کی ہدایت یا اعتدال سے تجاوز کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہو۔اورنگ زیب کو یوں بھی مسجدیں تعمیر کروانے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا۔اس کے دورِ حکومت میں زیادہ تر مسجدوں کی مرمت ہی ہوئی۔ویسے بھی مغل بادشاہوں کو زمین کی قلت نہیں تھی کہ وہ مندروں کو توڑوا کر مسجدیں تعمیر کرواتے۔مزید یہ کہ ایک قابل حکمراں کی حیثیت سے وہ کیسے بھول سکتا تھا کہ ہندوستان کی بڑی آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے جو اپنے مذہب اور عقیدہ کے لحاظ سے پکّے ہیں۔ہندو رعایا اور طاقتور ہندو راجہ اور زمیندار اس کو کبھی برداشت نہیں کریں گے ۔پھر اگر انہیں زبردستی مسلمان بنا بھی لیا جاتا تو کیا ان پر اعتماد کیا جاسکتا تھا اور اس بات کی کوئی ضمانت تھی کہ وہ مسلمان بنے رہیں گے ۔ اورنگ زیب کے سامنے یقیناً حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ قول رہا ہوگا کہ:

”غیر مسلموں کو طاقت اور ترغیب سے جھکایا نہیں جاسکتا ہے بلکہ ان کو صرف ہمدردانہ میل جول سے اسلام کی جانب مائل کیا جاسکتا ہے۔“

بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر کو توڑنے کے سلسلہ میں ڈاکٹر پٹّا بھی سیتا رامیہ نے کچھ اہم دستاویزات کے ساتھ اپنی کتاب دی فیدر اینڈ اسٹون (The Feather and Stone) میں روشنی ڈالی ہے جسے پٹنہ میوزیم کے کیوریٹر ڈاکٹر بی این گپتا اور مشہور مؤرخ بی این پانڈے نے بھی تسلیم کیا ہے کہ:

”بنگال جاتے ہوئے اورنگ زیب بنارس کے قریب سے گزرا۔ اس کی فوج میں شامل ہندو راجاؤں نے گنگا اشنان اور وشنو پوجا کی خواہش ظاہر کی جس کی اجازت اورنگ زیب نے دے دی۔ متعدد رانیوں نے گنگا اشنان کے بعد وشوناتھ کا درشن کیا لیکن واپسی پر کچھ (سندھ) کی مہارانی غائب تھی۔ مندر کے احاطہ کی تلاشی لی گئی لیکن مہارانی نہیں ملی۔ اورنگ زیب کو جب اس کی خبر ملی تو اسے بے انتہا غصہ آیا سختی سے مندر کی دوبارہ تلاشی لی گئی تو پتہ چلا کہ گنیش کی مورتی کے پیچھے سے دیوار میں ایک خفیہ سرنگ ہے۔ اندر جانے پر بے آبرو مہارانی کی لاش ملی جسے اجتماعی آبروریزی کے بعد ختم کر دیا گیا تھا اور یہ تہہ خانہ وشوناتھ کی پرتیما کے عین نیچے تھا۔ فوج میں موجود ہندو راجاؤں کے اصرار پر اس حرام کاری کے اڈے کو مسمار کر دیا گیا۔ دیوتا کی مورتی وہاں سے ہٹا دی گئی اور اس کی مہنت کو سخت ترین سزا دی گئی۔

جہاں آج گیان واپی مسجد ہے وہاں اکبر کا تعمیر کردہ دین الٰہی کا ادارہ تھا جسے توڑوا کر شاہجہاں نے ۱۶۳۳ء میں مسجد بنوائی تھی اور اس کا تاریخی نام ایوانِ شریعت رکھا تھا۔

خود اورنگ زیب نے بڑی تعداد میں ہندو مندروں اور مٹھوں کی پوجا اور بھوگ کے لیے وظیفے اور جاگیریں مقرر کر رکھی تھیں۔ ڈاکٹر بشمبر ناتھ پانڈے اپنے ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ:

”جب میں الہ آباد میونسپلٹی کا چیرمین تھا تو ترپتی سنگم کے قریب واقع میشور ناتھ مہادیو مندر کے مہنت کی موت کے بعد اس کے دو دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان دونوں نے میونسپلٹی میں داخل خارج کے لیے اپنے کاغذات جمع کیے۔ جب میں نے ایک دستاویز پر نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ وہ اورنگ زیب کا فرمان تھا جس میں نے انھوں نے مندر کے پجاری کو بھوگ اور پوجا کے لیے جاگیر میں دو گاؤں عطا کیے تھے۔ مجھے دستاویز دیکھ کر نقل کا گمان ہوا کہ اورنگ زیب جیسا بت شکن اور کٹر مسلمان بت پرست کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اس دستاویز کو لے کر سیدھے سر تیج بہادر سپرو کے پاس گیا جو کہ فارسی کے ایک بڑے اسکالر تھے اور انہیں اسے دکھایا۔ انھوں نے مطالعہ کے بعد بتایا کہ یہ دستاویز اصلی ہیں۔ میں نے اپنے شک کا اظہار کیا کہ عالمگیر تو مندروں کو توڑتا تھا، بت شکن تھا وہ ٹھاکر جی کے بھوگ اور پوجا کے لیے جائداد کیسے دے سکتا ہے؟ اس پر سپرو جی نے بنارس کے جنگم باڑی شیو مندر کے سلسلہ میں اورنگ زیب کے چار فرمان دکھائے جس میں جنگموں کو معافی کی زمین عطا کی گئی تھی۔“

الہ آباد میں واقع مشہور ناتھ مہادیو مندر اجین کا مہا کالیشور شیو مندر، گوہاٹی کا اوما نند اور کاما کھیا مندر، ترو پتی مندر، چتر کوٹ کے بالاجی مندر (مہنت بالا داس کے نام تین سو بیگھ زمین کی مال گزاری معاف زمین کا فرمان) اور ستروںجی میں جین آبو مندر وغیرہ وہ چند منادر ہیں جس کے فرمانوں کی کاپیاں آج بھی موجود ہیں جنھیں اورنگ زیب کے ذریعہ ۱۶۵۹ء تا ۱۶۸۵ء جاگیریں اور عطیات عنایت کیے گئے۔ اسی طرح ۱۶۷۲ء میں اس نے بنارس کے جنگم باڑی مٹھ میں ۷۸ بیگھ زمین اور بینی مادھو گھاٹ پر ۱۶۸۳ء میں مرکزی مسجد کے پاس دو پلاٹ رام جیون گوسائیں اور اس کے لڑکے کو بطورِ انعام عطا کیا تاکہ مذکورہ پلاٹوں پر برہمنوں اور فقیروں کے لیے رہائشی مکانات بنوانے کے بعد وہ خدا کی عبادت اور ہماری سلطنتِ خداداد کی بقائے دوام کے لیے التجاء و دعا میں لگ جائیں۔

اسی طرح ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۰۶۴ھ (بمطابق مارچ ۱۶۶۰ء) کو اورنگ زیب کے ذریعہ جاری کیا گیا ایک فرماں ناظم بنارس ابوالحسن کے نام موجود ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ:

”اسلامی شریعت کی رو سے قدیم مندروں کو ہرگز منہدم اور برباد نہ کیا جائے۔ ہماری اطلاع میں یہ بات آئی ہے کہ بعض لوگ از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اس کے نواحی مقامات کے رہنے والے ہندوؤں اور برہمنوں پر جو قدیم مندروں کے پروہت ہیں تشدد اور زیادتی کرتے ہیں تاکہ انھیں ان کے قدیم حقوق سے محروم کر دیں۔ اس لیے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ایسا انتظام کیا جائے تاکہ کوئی ان کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور نہ ہی انھیں کسی تشویش میں مبتلا ہونے دیا جائے۔“

اس طرح گیان چندر نے اورنگ زیب

کے ذریعہ مختلف مندروں اور برہمنوں کو دیئے گئے ۲۴ فرمانوں کی کاپی کے اچھے حالات میں موجودگی کا اعتراف کیا ہے جنھیں اس نے خود دیکھا اور پرکھا ہے۔ اورنگ زیب بذات خود انتہائی سادہ زندگی بسر کرتا تھا اور بیت المال کے پیسہ کو اپنی ذاتی ضرورتوں کے لیے ہاتھ نہیں لگاتا۔ اپنی روزی ٹوپیاں بنا کر اور قرآن شریف کی کتابت سے حاصل کرتا۔ نوے سال کی عمر میں ۲۱ر فروری ۱۷۰۷ء کو بروز جمعہ احمد نگر میں وفات پائی تو اورنگ آباد (دکن) سے بارہ کوس دور روضہ خلد آباد میں دفن ہوا۔ مرتے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ چار روپئے دو آنے جو اس نے ٹوپی بنانے کی مزدوری کے طور پر حاصل کیے ہیں وہ اس کے کفن پر خرچ ہو جب کہ تین سو پانچ روپئے جو قرآن شریف کی کتابت کی اجرت کے طور پر جمع ہیں وہ مساکین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ وصیت کے مطابق اس کی تدفین نہایت سادہ انداز میں ہوئی اور اس کی تربت پر کوئی مقبرہ بھی نہیں بنایا گیا۔

ہندو راجہ اور مسلمان

دوسری جانب ہندو راجاؤں کا سلوک مسلمان رعایا کے ساتھ انتہائی ظالمانہ تھا۔ شاہ بہرام کے زمانہ میں سلاطین غزنہ اور سلاطین غور کے درمیان جب جنگیں شروع ہوئیں اور پنجاب کی حکومت کمزور پڑ گئی۔ اس وقت راجہ اتنک پال نے جو راجہ جے پال کا بیٹا تھا، راجگان ہند کا لشکر کثیر لے کر لاہور پر چڑھائی کر دی۔ چھ ماہ تک محاصرہ قائم رہا۔ جب غزنی سے فوج نہیں آئی تو مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ دو ہزار لاشیں صرف ایک جگہ دفن ہوئیں۔ تمام مسجدیں گرا دیں گئیں اور اس جگہ پر مندر بنا دیئے گئے۔

اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں بھی ہندو مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو عام طور پر تباہ و برباد کرتے تھے۔ بقول مجدد الف ثانیؒ کفارِ ہند بے خوف و خطر مساجد شہید کرتے اور اپنے مندر ان کی جگہ بناتے۔ اسی طرح رانا کمبھ نے جب سلطانِ گجرات سے ناگور کسی ترکیب سے حاصل کر لیا تو اس نے فیروز خان کی بلند مسجد کے ساتھ ہی شہر کی تمام مسجدوں میں آگ لگا دی اور قلعہ کو تباہ کر کے ویران کر دیا۔ ساتھ ہی شمس خان کے تمام خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ خود جدوناتھ سرکار کا یہ اعتراف ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ست نامیوں نے کرنول پر قبضہ کر لیا تو شہر کو جی بھر کر لوٹا اور وہاں کی تمام مساجد میں آگ لگا دی۔ اسی زمانہ میں کمار بھیم سنگھ نے گجرات میں بہت سی مسجدوں کو مسمار کیا۔ شیواجی نے بھوانڈی اور شولاپور میں مسجدوں کو نقصان پہنچایا۔ بہادر شاہ اول کے بعد جودھپور میں راجہ جسونت سنگھ کے بیٹے اجیت سنگھ نے جودھپور کی بہت سی مسجدیں گرا کر ان کی جگہ مندر بنوا دیئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد تو بڑی تعداد میں شمالی ہندوستان میں مسجدیں مسمار کی گئیں۔ تقسیم ہند کے بعد مشرقی پنجاب، ہریانہ اور دہلی کی تقریباً نو ہزار مسجدیں تباہ و برباد کی گئیں یا ان پر حکومت یا سکھوں کا غاصبانہ قبضہ ہے۔ خود دہلی میں برنی کمیٹی کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۷۶ ایسی مشہور مسجدیں ہیں جو یا تو ہندوؤں یا حکومت کے تصرف میں ہیں۔ ان میں تبدیلی کر کے ان پر غاصبانہ قبضہ بنائے رکھا گیا ہے۔ اسی طرح مغربی بنگال اسمبلی میں خود صوبائی حکومت نے ۱۹۷۹ء میں یہ اعتراف کیا ہے کہ اب بھی صرف کلکتہ میں ۵۹ مسجدیں ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت کے واقعہ کو ابھی بہت زمانہ نہیں گزرا ہے جب کہ ریاستی حکومت کی ایماء و شہ اور مرکزی حکومت کی چشم پوشی کے باعث پولیس اور فوج کی موجودگی میں بابری مسجد کے ساتھ ہی ایودھیا کی سات دوسری مسجدوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۶ء میں گجرات کی بی۔ جی۔ پی سرکار کے اشارہ پر سیکڑوں مسجدوں، درگاہوں اور مزارات کو نقصان پہنچایا گیا۔ اکثر میں مورتیاں نصب کر دی گئیں یا اس پر میونسپلٹی والوں نے راتوں رات سڑک بنا دی۔ ان لوگوں نے سینکڑوں سال سے موجود احمد آباد میں اردو کے مشہور شاعر ولی دکنی اور بڑودہ میں ساڑھے تین سو سال سے موجود حضرت رشید الدین چشتی کے مزار کو بھی نہیں بخشا جس کے زائرین میں بڑی تعداد ہندوؤں کی بھی تھی۔

اورنگ زیب اور سکھ

جہاں تک اورنگ زیب کے سکھوں سے تعلقات کا سوال ہے تو سب سے پہلے میکالف نے اپنی کتاب سکھوں کی تاریخ میں پہلی بار ۱۹۰۵ء میں تحریر کیا ہے کہ اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو سزائے موت دی تھی۔ لیکن میکالف سے قبل اس طرح کا کوئی ثبوت یا تذکرہ موجود نہیں۔ بلکہ ایک دوسری کہانی ملتی ہے۔ بھائی منی سنگھ کی کتاب بھکت رتناولی جو کہ پہلی بار ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی واضح طور پر لکھا ہے کہ

ایک سکھ نے ان کی اپنی اجازت سے ان کا سر قلم کر دیا۔

کنگھم نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ:

”اورنگ زیب کو اپنی کرامات دکھانے کی خاطر انھوں نے کہا کہ ایک ایسی تعویذ ان کے پاس موجود ہے کہ جو کوئی بھی اسے اپنے پاس رکھے گا تلوار اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس تعویذ کو خود ہی اپنی گردن میں باندھ کر انھوں نے آزمایا۔ ان کے اشارہ پر ان کے ایک چیلے نے گردن پر تلوار ماری۔ سر تن سے جدا ہو کر ایک طرف جا گرا۔“

اس واقعہ کے راوی وہ لوگ ہیں جو ان کی خدمت میں اکثر رہا کرتے تھے لیکن جب دوبارہ ۱۹۱۲ء میں بھگت رتناولی شائع ہوئی تو یہ واقعہ حذف کر دیا گیا تھا کیونکہ اس سے قبل میکالف کی کہانی آچکی تھی۔ گیان سنگھ کی تصنیف پتھ پرکاشن کی پہلی (۱۸۷۹ء) اور دوسری (۱۸۸۳ء) اشاعت میں اورنگ زیب کے ذریعہ گرو تیغ بہادر کی شہادت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن تیسری اشاعت جو کہ میکالف کی کتاب کے بعد شائع ہوئی یہ عبارت موجود ہے کہ گرو جی سے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا گیا اور انکار کرنے پر برسرِ عام انھیں قتل کر دیا گیا۔ سکھانی دیے راج جو ۱۸۶۳ء اور ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی اس میں بھی اورنگ زیب کے ذریعہ گرو تیغ بہادر کی سزائے موت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ کو بھی اورنگ زیب کے صوبیداروں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا لیکن اس کے سیکڑوں مددگار مسلمان تھے۔ نبی خاں، غنی خاں اور جنرل سید بیگ وغیرہ نے بڑے نازک موقعہ پر گرو گوبند سنگھ کی مدد کی تھی۔ مزید یہ کہ اپنی وفات سے قبل گرو گوبند سنگھ مغل فوج میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔ جانشینی کی لڑائی میں سکھوں نے گرو گوبند سنگھ کی قیادت میں شہزادہ معظم (بہادر شاہ اول) کا ساتھ دیا تھا۔ اسی دوران جب کسی پٹھان نے ذاتی عداوت کے باعث انھیں زخمی کر دیا تو اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ اول نے اپنا خاص طبیب ان کے علاج کے لیے بھیجا۔

”اورنگ زیب کے ہاتھوں ایک ایسی سلطنت کی باگ ڈور رہی جس کا رقبہ آبادی اور دولت کے حساب سے کوئی ثانی اور مثل اس وقت کی عالمی سیاست میں نہیں تھا۔ اپنے کٹھن فرائض کو ادا کرنے میں اس نے جس خلوص، انہماک، عزم اور استقلال کا ثبوت پیش کیا اس کی مثال نہیں۔ ذاتی زندگی میں وہ ایک بھلے آدمی کا نمونہ تھا۔ وہ ایشیائی حکمرانوں اور شاہزادوں کی عام برائیوں سے پاک تھا۔ وہ سادہ بلکہ خشک زاہدانہ زندگی بسر کرتا۔ وہ کھانے پینے، پوشاک و لباس اور زندگی کی تمام ضروریات کے معاملہ میں بہت محتاط تھا۔ انتظامِ سلطنت کے بھاری کاموں میں مشغولیت کے باوجود اپنے ذاتی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے قرآن شریف کی نقل اور ٹوپی تیار کر کے روپیہ حاصل کرنے کا وقت نکال لیا کرتا.....وہ اپنے روزانہ کے معمولات پر سختی سے عمل پیرا رہتا۔ چوبیس گھنٹہ میں وہ صرف تین گھنٹہ سوتا۔ کام لینے میں بڑا سخت گیر تھا۔ خود اپنے اوپر بھی اور دوسروں کے اوپر بھی۔ وہ اپنی وسیع سلطنت کے تمام کاموں کی خود نگرانی کرتا تھا اور اپنی تمام فوجی مہموں کی قیادت بھی خود کی۔ وہ ختم نہ ہونے والی انرجی اور غیر متزلزل ارادے کا مالک تھا۔“

(جاری ہے.....)

●●●

اللہ کی نافرمانی اور اس سے سرکشی و بغاوت، یہ وہ شنیع اعمال ہیں جن کے باعث لوگ اللہ کے غضب، ذلّت و مسکنت اور شکست و ہزیمت کے مستحق بنتے ہیں، اور آج دنیا میں بکھری ہوئی نسلی مسلمانوں میں۔ جو کسی حق کے بغیر خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ شنیع اعمال وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ انہی اعمال اور حرکات کے ساتھ وہ آج اپنے رب کے سامنے آتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں وہ اُسی ذلّت و مسکنت اور شکست و ہزیمت سے دوچار ہوتے ہیں جو اللہ نے یہود کے لیے مقدر کی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں پھر ہم مغلوب کیوں ہیں؟ لیکن یہ بات کہنے سے قبل انھیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ”نورِ اسلام“ کیا ہے اور کون لوگ حقیقتاً ”مسلمان“ ہیں اس کے بعد انھیں اس طرح کی بات کہنی چاہیے۔

(سید قطب شہیدؒ)

●●●

قسط نمبر ۲

ولاء اور براء

(محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ)

ابو صدف مدنی

ولاء و براء کے شرعی تصور کو مغربی لبرل ازم کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ہمارے مفکرین کی تحریروں میں بہت سی شرعی نصوص و تصورات کی آڑھی ترچھی تاویلیں بھی کی گئی ہیں۔ یہاں بعض تاویلوں پر گفتگو انشاء اللہ مفید اور نتیجہ خیز رہے گی۔

ان حضرات کی طرف سے بارہا کہا گیا ہے کہ ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعدائے دین سے دشمنی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً سورۂ ممتحنہ کی آیت میں کہا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ.

(الممتحنہ: ۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔“

مگر یہ اور اس قسم کی آیات اور ان سے ثابت ہونے والا اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھنے کا حکم، یہ سب کچھ اُن کفار کی بابت ہے جو مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کریں۔ اُن کے علاوہ دیگر کفار اللہ کے دشمن نہیں ہوتے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھنے والا کوئی شخص ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے؟ قرآن تو ہر کافر کو اللہ کا دشمن قرار دیتا ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ (البقرۃ: ۹۸)

”تو کہہ دو کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔“

إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا (النساء: ۱۰۱)

”بے شک کفار کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔“

اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کچھ کا دشمن ہے اور کچھ کا نہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ اللہ نے کفار کی موالات سے روکا ہے۔ مگر ایسی تمام آیات جن میں موالاتِ کفار کی نہی وارد ہوئی ہے، ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ جملہ کفار سے محبت نہیں کی جائے گی اور ان سے دشمنی رکھی جائے گی۔ موالات میں مجرد محبت یا دشمنی سے آگے بڑھ کر ایک چیز ملتی ہے، وہ ہے ان کی مدد اور نصرت۔ یہ منع ہے۔ تو اس تاویل کے بارے میں عرض کرنا ہے کہ موالات ایک عمومی لفظ ہے جس میں محبت اور نصرت دونوں عناصر شامل ہیں۔ محبت بھی موالات ہے اور نصرت بھی موالات ہے اور موالات کی ممانعت ان دونوں کی ممانعت بھی ہے۔ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ موالات تبھی ہوگی جب کہ کسی کے لیے محبت اور نصرت دونوں کے جذبات رکھے جائیں، انہیں یہ قرآنی آیت دیکھنی چاہیے جس میں ملتِ کفر سے محبت سے خاص طور پر روکا گیا ہے۔

هَاأَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آلِ عمران: ۱۱۹)

”تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتبِ آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کی عظمت کو) مان لیا ہے، مگر جب جدا ہوتے ہیں تو

تمہارے خلاف ان کے غیظ وغضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔''

واضح رہے کہ یہ آیت معاہد کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔علاوہ ازیں ایسی بات کہنے والا فقہاء کے اجماع کے خلاف بھی جاتا ہے جس کے بہ موجب کافر کی محبت ومودت بھی موالات کے ضمن میں آتی ہے اور شرعاً ممنوع ہے۔ علمائے محققین نے بھی یہی بات تحریر فرمائی ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ:

''موالات کی اصل محبت ہے،ٹھیک ویسے ہی جیسے عداوت کی اصل نفرت ہے۔'' [أصل الموالاة هي المحبة كما أن أصل المعاداة البغض] (جامع الرسائل، ابن تیمیہ، تحقیق: محمد رشاد سالم:۲/ ۳۸۴)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں اقرار ہے کہ اللہ نے اپنے اور رسولِ پاکؐ کے دشمنوں سے محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے،مگر اللہ اور رسولؐ کا دشمن وہ کافر ہے جو محارب ہو۔اس پر ہمیں عرض کرنا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی تحریف کرنے جیسا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے:

يَحْلِفُونَ بِاللهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ. أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ (التوبة: ۶۳-۶۲)

''یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں،حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں۔کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔''

یہاں جھوٹی قسمیں کھانے والے محاربین کفار نہیں تھے،اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں اللہ اور رسولؐ سے پیکار لینے والا بتایا۔سورۂ مجادلہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے حدود کا تذکرہ فرمایا،وہیں یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (المجادلة:۵)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل وخوار کر دیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل وخوار کیے جا چکے ہیں۔''

ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ کی حدود کو پامال کرنا محاربہ نہیں ہوتا،اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اللہ اور رسولؐ کے ساتھ محادّہ کے ہم معنی قرار دیا۔اگر ہمارے مفکرین کہتے ہیں کہ محادّہ ہی محاربہ ہے تو یہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محاربہ سے کم درجے کی مخالفت کو محادّہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔اور اگر یہ لوگ محادّہ کے اندر ہر وہ قول وفعل شامل مانتے ہیں جس سے اللہ،اس کی کتاب،اس کے نبیؐ یا اس کی اتاری شریعت کی بے حرمتی ہوتی ہو،تو شاید اِس وقت روئے زمین پر کوئی کافر ایسا نہ ملے گا جو تعددِ ازواج، مرد کی قوامیت،حجاب،گھروں میں مستورات کے محصور رہنے اور قتال وجہاد وغیرہ کے احکام کے تعلق سے دین حق کی بے حرمتی کا مرتکب نہ ہو رہا ہو۔

یہ صلح پسند لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ جس مواد ّت سے روکا گیا ہے وہ ان کافروں کے تعلق سے ہے جو محادّہ کر رہے ہوں۔اگر ہم ان سے کہیں کہ آج یہ مستشرقین،سیاست داں،مفکرین اور کافر معاشروں کے سربرآوردہ افراد جس طرح احکامِ شریعت کی اہانت وبے حرمتی کر رہے ہیں، حالانکہ وہ محارب نہیں ہیں،مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے جنگ نہیں چھیڑی ہے،کیا اُن سے مودّت ومحبت رکھنا جائز ہے؟ تب یہی لوگ اپنی بات کی تردید کرتے ہوئے کہیں گے:

''ہاں،کیونکہ وہ غیر محاربین ہیں،اس لیے ان کے ساتھ مودت رکھنا جائز ہے۔اب وہ پیچھے اپنی بیان کردہ علت یعنی محادّت بہ معنی اہانت واسائت کا تذکرہ نہیں کریں گے۔''

ہمارا مقصد یہ بتانا نہیں ہے کہ کفر اور محادّت ایک دوسرے کے مرادف الفاظ ہیں۔بیشک محادّت مجرد کفر سے زائد ایک چیز ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے ''الصارم المسلول'' میں بڑے اچھے انداز میں لکھا ہے۔ہمارے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ محادّت بہرحال مجرد جنگ وقتال سے زیادہ وسیع تر مفہوم کا حامل ایک قرآنی لفظ ہے۔

ان حضرات کی طرف سے ولاء وبراء کے تعلق سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیکھیے شارعِ حکیم نے کتابیہ خاتون سے نکاح کی اجازت مسلمان مرد کو دی ہے اور زوجین میں مودت کے بغیر رشتۂ ازدواج قائم نہیں ہوسکتا۔اس سے معلوم ہوا ہے کہ کافروں سے یک گونہ مودت ومحبت رکھنا جائز ہے،کیونکہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو اللہ کبھی کتابیہ خاتون کا نکاح مسلمان کے ساتھ جائز نہ کرتے۔

مگر ان لوگوں کا یہ استدلال قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہؓ اور مذاہبِ اربعہ کے متفقہ فقہی فیصلے کے خلاف ہے۔ یہ بات کہنے والا صرف ایک فروعی مسئلے کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ پورے ایک منہج اور طرزِ استدلال کا انکار کرتا ہے۔ وہ بدیہی اصولوں کو چھوڑتا ہے، اور استثناء اور احتمال کو ایک بنیادی اور عمومی قاعدے کی شکل دے دیتا ہے۔

کفار سے محبت کے جواز کے لیے یہ استدلال کہ اللہ نے نکاحِ کتابیہ کو جائز رکھا ہے اور نکاح کا لازمہ مودت ہے، اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ کتابیہ خاتون سے شادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی محبت فطری اور تکوینی ہے جب کہ اللہ کا یہ حکم کہ ہر کافر سے بغض رکھا جائے یہ ایک شرعی و دینی حکم ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامرِ شرعیہ کو اس کی اجازت سے وقوع پذیر ہونے والے امورِ کونیہ کی بنیاد پر قابلِ اعتراض نہیں گردانا جائے گا۔

اسی طریقے سے استدلال کرنے والا وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف الطبائع بنا کر پیدا کیا ہے اور ہمیشہ یہ اختلاف باقی رہے گا، اس لیے اتحاد و اتفاق کی بات کرنا یا مسلمانوں کو ایک ملت قرار دینا فضول ہے۔ ایسا کہنے والا ایک تکوینی امر کی بنیاد پر ایک شرعی حکم ٹھکرا رہا ہے جو کہ غلط ہے۔ اسی طرح کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ بنی آدم غلطیوں اور خطاؤں کے مرتکب ہوں۔ اس کے نبی ﷺ نے بتایا ہے کہ آدم کا ہر بچہ خطا کار ہے۔ اس لیے اب کسی کو گناہوں سے روکنے اور معاصی سے باز رہنے کی تلقین کرنا عبث ہے۔ یہ بھی مندرجہ بالا استدلال کی طرح غلط ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ استدلال بھی غلط ہے کہ تکوینی وفطری طور پر زوجین کے درمیان جو محبت وانسیت پیدا ہوتی ہے اسے بنیاد بنا کر کفار سے کراہیت اور نفرت رکھنے کے شرعی حکم کو باطل کر دیا جائے۔

پھر یہ کس نے کہہ دیا کہ زوجین کے درمیان دین کی بنیاد پر بے گانگی اور اجنبیت نہیں ہوسکتی۔ ارشادِ باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَ أَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن:۱۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے زوجین کے مابین دینی عداوت ہونے کے امکان کو ثابت کیا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم یہ لوگ کیوں اس آیت کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ آیت پکڑتے ہیں جس میں تکوینی اور جبلّی محبت کی بات کہی گئی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔''

ہونا یہ چاہیے کہ دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر تدبر کیا جائے۔ اس طرح صاف پتہ چل جائے گا کہ ایک جگہ تکوینی محبت مراد ہے اور دوسری جگہ دین کی بنیاد پر بے گانگی کے امکان کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر زوجین کے درمیان جس مودت کا ذکر رب ذوالجلال نے فرمایا ہے وہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ محبت کے مفہوم میں ہی ہو۔ اس سے مراد صلہ رحمی اور احسان و کرم کا رویہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس معنی میں مودت کا لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے:

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (الشوریٰ:۲۳)

''اے نبی ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، البتہ قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور محبت ضرور چاہتا ہوں۔''

اس آیتِ کریمہ میں نبیؐ کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کفارِ قریش سے محبت کریں، بلکہ آیت کا منشا وہ ہے جو صحیح بخاریؒ کی روایت میں صحابیِ جلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے واضح کیا ہے کہ قریش کا کوئی بطن اور گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں آپؐ کی رشتے داری نہ تھی۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا:

''میرا تم سے مطالبہ بس یہ ہے کہ تم میرے اور تمہارے درمیان پائے جانے والے قرابت کے رشتے کو نبھاؤ۔'' [إن النبی ﷺ لم یکن بطن من قریش إلا کان له فیهم قرابة فقال إلا أن تصلوا ما بینی و بینکم من القرابة] (صحیح بخاریؒ:۴۸۱۸)

پھر اس لحاظ سے بھی غور کرنا چاہیے کہ انسان کو جس قدر محبت اور موالات اپنے حقیقی والد اور بھائیوں سے ہوتی ہے اتنی منکوحہ بیوی سے نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود ہم پاتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے

معاہد کافر باپ اور بھائی کے ساتھ موالات کا رشتہ منقطع فرمادیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ آبَاءكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إَنِ اسْتَحَبُّواْ الْكُفْرَ عَلَى الإِيْمَانِ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (التوبة:۲۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق اور ولی نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ جو تم میں سے ان کو اپنا ولی بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔''

پھر اہلِ علم نے بتا دیا ہے کہ دونوں شرعی حکموں کا محل انطباق الگ الگ ہے۔ معاہد ومحارب کفار سے قلبی عداوت بر بنائے دین وایمان ہوتی ہے جب کہ زوجین کے درمیان پیدا ہونے والی مودت فطری اور جبلی ہوتی ہے اور دونوں کا اجتماع کسی ایک شخص کے اندر ہونا محالات میں سے نہیں ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ناممکن ہے کہ کسی انسان کے اندر محبت اور بغض دونوں یکجا ہو جائیں، اسی لیے جب تک اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کتابیہ بیوی سے محبت کرے اس وقت تک اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے دینی عداوت نہ رکھے۔ یہ بات انتہائی درجے کی غیر عملی اور سطحی بات ہے۔ تجربہ اس کے خلاف شاہد ہے۔ کڑوی دوا پینے کو ہم ناپسند بھی کرتے ہیں اور پسند بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے ذائقے کے لحاظ سے ہمیں بری لگتی ہے اور اپنی افادیت کے لحاظ سے اچھی لگتی ہے۔ علمائے کرام نے ایک شخص کے اندر محبت اور نفرت کے اجتماع کو اسی مثال کے ذریعے بار بار اپنی کتابوں میں سمجھایا ہے۔ شرعی امور میں اس کی نظیر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ قتال کے اندر دل کو طبعی انقباض اور ناپسندیدگی ہوتی ہے کیونکہ اس سے انسان بے آرامی اور جانی خطرات سے دو چار ہوتا ہے، مگر اس کے اندر جو عظیم الشان ثواب رکھا گیا ہے اس کی بنیاد پر اس سے شرعی محبت بھی ہوتی ہے۔ قتال سے انسان کی طبعی کراہیت خود قرآن سے ثابت ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرة:۲۱۶)

''تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔''

مگر قتال سے بر بنائے شرع محبت بھی قرآن سے ہی ثابت ہے:

وَلاَ عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّواْ وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَناً أَلاَّ يَجِدُواْ مَا يُنفِقُونَ (التوبة:۹۲)

''اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کرسکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریکِ جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔''

پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومنین بہ تقاضائے طبیعت قتال سے بچتے ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن پھر انہی اہلِ ایمان کے بارے میں دوسری آیت میں بتایا گیا کہ انہیں شریکِ جہاد نہ ہونے کی حسرت ایسی ہوتی ہے کہ زار وقطار روتے ہیں۔ یہ جہاد وقتال سے ان کی محبت بہ تقاضائے شرع ودین ہے۔ اب اگر کوئی اس بات کا انکار کرتا ہے کہ جنگ وقتال میں کوئی طبعی کراہت نہیں پائی جاتی تو وہ بر خود غلط ہے، اور اگر کوئی یہ انکار کرتا ہے کہ قتال سے شرعی محبت نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ابھی تک ایمان کا مطلب ہی نہیں معلوم ہوسکا۔ جب محبت اور نفرت کا اجتماع ایک محل پر ممکن ہے تو آخر ان کی یکجائی ایک ایسے مسلمان شخص کے اندر کیوں ناممکن ہوسکتی ہے جو کسی کتابیہ خاتون کا شوہر ہو۔

ٹھیک اسی طرح ہر انسان کے دل میں قید خانے سے فطری بے زاری اور تنفر پایا جاتا ہے۔ مگر حضرت یوسفؑ کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک شرعی مصلحت کی خاطر قید خانے کے تئیں اپنی پسندیدگی اور ترجیحی رویے کا اظہار کیا حالانکہ یقین ہے کہ طبعی طور سے وہ اسے ناپسند ہی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (یوسف، ۳۳)

''یوسف نے کہا: اے میرے رب، قید مجھے محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ عورتیں مجھ سے چاہتی ہیں۔'' (جاری ہے......)

●●●

صلیبی جنگوں سے امریکی "وار آن ٹیرر" تک

شاہنواز فاروقی

ایک ہزار سال کی مدت کم نہیں ہوتی۔ ایک ہزار سال میں زندگی بدل جاتی ہے، انسان تبدیل ہوجاتے ہیں، نظریات و خیالات میں انقلاب آجاتا ہے۔ مگر مغرب گزشتہ ایک ہزار سال سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک ہی حال میں ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کوشاں ہے۔ اس عمل کی ابتدا ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوئم کی اس تقریر سے ہوئی جس میں اُس نے کہا کہ اسلام ایک شیطانی مذہب ہے اور میرے قلب پر یہ بات القا کی گئی ہے کہ عیسائیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس شیطانی مذہب اور اس کے ماننے والوں کو فنا کردیں۔ پوپ اسلام کے خلاف صرف تقریر کرکے نہیں رہ گیا، اُس نے یورپی اقوام کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع اور متحد ہونے کی تلقین کی۔ پوپ کی تلقین بہت جلد رنگ لائی، چنانچہ ۱۰۹۹ء میں تمام یورپی اقوام ایک صلیبی جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئیں اور اُن صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا جو دو سو سال جاری رہیں۔ ان صلیبی جنگوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان کا آغاز مغربی اقوام کی مرضی کے مطابق ہوا، اور مغربی اقوام نے جو چاہا، کیا۔ لیکن ان جنگوں کا اختتام مغرب کی خواہش کے برعکس مسلمانوں کی فتوحات پر ہوا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے صلیبیوں سے نہ صرف یہ کہ بیت المقدس واپس لے لیا بلکہ وہ ان کو کھدیڑتا ہوا یورپ تک لے گیا۔ چنانچہ جو صلیبی جنگیں کبھی مغربی اقوام کے لیے ایک "امید" تھیں، وہ بالآخر ان کے لیے ایک "خوف" بن گئیں۔ صلیبی افواج نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی پہلی یلغار میں مسلمانوں پر اتنے ظلم کیے کہ ان کو یاد کرکے آج بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ صلیبیوں نے صرف بیت المقدس میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کیا۔ مغربی مؤرخین نے لکھا ہے کہ صلیبیوں نے اس بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام کیا کہ بیت المقدس کی گلیاں خون سے بھر گئیں اور ان میں گھوڑے چلانا دشوار ہوگیا۔ لیکن جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا تو مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا اُس وقت بیت المقدس میں ایک لاکھ عیسائی موجود تھے۔ مسلمان چاہتے تو ماضی کا حساب برابر کرسکتے تھے، لیکن مسلمانوں نے معمولی سی رقم کے عوض عیسائیوں کو بیت المقدس سے جانے کی اجازت دے دی۔ بعض عیسائی اتنے غریب تھے کہ وہ اپنی رہائی کے لیے معمولی سی رقم بھی ادا نہ کرسکتے تھے، چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور اس کے عزیزوں نے اپنی جیب خاص سے ان عیسائیوں کی رقم ادا کی۔

عیسائیوں نے صرف اسلام کو شیطانی مذہب قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی شان میں بھی گستاخی کی اور آپؐ کو نبی ماننے سے انکار کردیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اسلام آسمانی مذہب نہیں ہے بلکہ معاذ اللہ رسول اکرمؐ نے کچھ توریت سے لیا اور کچھ انجیل سے لے لیا، اور ان کو ملا کر قرآن گھڑ لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں عیسائیوں کی پوزیشن آج بھی یہ ہے کہ وہ آپؐ کو رسول نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد تاریخ کی عظیم شخصیت ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔

مغربی اقوام نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دوسری یلغار نوآبادیاتی دور کی صورت میں

کی۔تمام یورپی اقوام اپنے اپنے جغرافیے سے نکلیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم اسلام پر قابض ہوگئیں۔اس نو آبادیاتی یلغار کی پشت پر سفید فام آدمی کے بوجھ کا تصور موجود تھا۔اس تصور کا مفہوم یہ تھا کہ دنیا میں مہذب تو صرف سفید فام اقوام ہیں۔باقی جتنی اقوام ہیں وہ غیر مہذب ہیں، چنانچہ سفید فاموں کا فرض ہے کہ وہ غیر مہذب اقوام کو مہذب بنائیں۔ان کو مہذب بنانے کی ایک صورت یہ تھی کہ ان کو عیسائی بنایا جائے۔ان کو مہذب بنانے کی دوسری صورت یہ تھی کہ انہیں مغرب کا مقلدِ محض بنایا جائے۔ چنانچہ مغربی اقوام نے مسلمانوں پر اپنا مذہب مسلط کیا۔اپنے علوم وفنون مسلط کیے۔اپنے قوانین ان پر ٹھونسے۔ اپنا عدالتی نظام ان کے ہاں رائج کیا۔مغرب کے دانشور کپلنگ نے خیال ظاہر کیا کہ مشرق آدھا شیطان ہے اور آدھا بچہ ہے۔وہ آدھا شیطان اس لیے ہے کہ وہ عیسائی نہیں ہے۔آدھا بچہ اس لیے ہے کہ وہ مغرب کی طرح عقل استعمال نہیں کرتا۔وہ عقل پرست نہیں ہے بلکہ واہموں میں مبتلا ہے۔مغرب کو مشرق سے اتنی نفرت ہے کہ مغرب کے ایک دانش ور نے کہا ہے کہ عربی اور فارسی کا سارا علم مغربی کتابوں کے ایک شیلف کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

مغرب کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تیسری یلغار نائن الیون کے بعد سامنے آئی۔ مغرب کہنے کو تو نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے نکلا تھا، مگر درحقیقت اس کا ہدف اسلام، مسلم تہذیب اور مسلمان تھے۔اس کا اندازہ نائن الیون کے بعد مغرب کے سیاسی رہنماؤں کے بیانات سے لگایا جاسکتا ہے۔امریکہ کے صدر جارج بش نے نائن الیون کے بعد امریکی قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں ''کروسیڈ'' کی اصطلاح استعمال کی۔انہوں نے کہا کہ ہم نے کروسیڈ کا آغاز کردیا ہے۔کروسیڈ کا ترجمہ صلیبی جنگ ہے۔یعنی امریکہ کے صدر نے نائن الیون کے بعد مسلمانوں کے خلاف شروع ہونے والی مہم کو کروسیڈ یا صلیبی جنگ کا نام دیا۔مسلم دنیا میں اس اصطلاح پر اعتراض ہوا تو کہہ دیا گیا کہ جارج بش کی زبان پھسل گئی۔ یہ ایک غلط بیانی تھی۔جارج بش فی البدیہہ تقریر نہیں کررہے تھے، وہ لکھی ہوئی تقریر کررہے تھے، اور اسکرپٹ میں کروسیڈ کی اصطلاح موجود ہوگی تبھی انہوں نے اس اصطلاح کو استعمال کیا۔ جارج بش کے بعد اٹلی کے وزیراعظم سلویو برلسکونی میدان میں اترے، انہوں نے اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے، اور اس نے جس طرح کمیونزم کو شکست دی ہے اسی طرح وہ اسلامی تہذیب کو بھی شکست سے دوچار کرے گی۔ مسلمانوں کا کوئی ترجمان ہوتا تو وہ اٹلی کے وزیراعظم سے پوچھتا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے والوں کی زبان پر مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کا موازنہ کیوں آگیا ہے؟ اور وہ مغربی تہذیب کے ہاتھوں اسلامی تہذیب کی شکست کیوں چاہتے ہیں؟ مگر چونکہ امتِ مسلمہ کا کوئی ترجمان ہی نہیں، اس لیے اٹلی کے وزیراعظم مغرب کے لوگوں کو جو پیغام دینا چاہتے تھے وہ دے دیا گیا۔مگر اس کے بعد اس سے بھی اہم بیان سامنے آیا۔امریکہ کے صدر جارج بش کے اٹارنی جنرل ایش کرافٹ نے واشنگٹن ڈی سی میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عیسائیت کا خدا اسلام کے خدا سے برتر ہے، اس لیے کہ عیسائیت کا خدا ایسا خدا ہے جس نے انسانیت کی نجات کے لیے اپنے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ کو پھانسی پہ چڑھا دیا۔ اس کے برعکس اسلام کا خدا اپنی عظمت کے اظہار کے لیے جہاد اور شہادت کی صورت میں مسلمانوں سے قربانی طلب کرتا ہے۔مسلمانوں کا کوئی ترجمان ہوتا تو ایش کرافٹ کو یاد دلاتا کہ آپ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے خلاف جنگ کرنے نکلے ہیں، عیسائیت کے خدا کو اسلام کے خدا سے برتر ثابت کرنے کی ذمہ داری آپ کی نہیں ہے۔ مگر مسلمانوں کا کوئی ترجمان ہی نہیں، اس لیے ایش کرافٹ اہلِ مغرب تک جو پیغام پہنچانا چاہتے تھے وہ پہنچا دیا گیا، اور امتِ مسلمہ کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔لیکن اس واقعے کے بعد اس سے بھی اہم بات ہوئی، یورپ میں ناٹو کی فورسز کے سابق کمانڈر جنرل کلارک نے بی بی سی ورلڈ کو انٹرویو دیتے ہوئے صاف کہا کہ ہم اسلام کو Define کرنے نکلے ہیں۔طے یہ کرنا ہے کہ آیا اسلام ایک پُرامن مذہب ہے جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں، یا اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو تشدد پر اکساتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ مغرب نائن الیون کے بعد صرف بیانات تک محدود نہ رہا۔اُس نے افغانستان کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا، عراق کی اینٹ

سے اینٹ بجا دی۔ اس نے بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی پر پابندی لگوادی۔شام میں بشارالاسد کو اس لیے گرنے نہیں دیا کہ اُس کے گرنے سے بنیاد پرست اقتدار میں آجاتے۔اس نے مصر میں صدر مرسی کی حکومت کا دھڑن تختہ کرادیا۔ لیبیا میں انتشار برپا کردیا۔سوڈان میں حسن ترابی کا محاصرہ کرلیا اور بالآخر جنرل بشیر کو جیل میں پہنچا کر دم لیا۔اس نے تیونس میں راشد الغنوشی کو ریاست اور مذہب کو الگ کرنے پر آمادہ کرلیا۔اس نے الجزائر میں اسلامی فرنٹ کی انتخابی فتح کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور الجزائر کی بدمعاش فوج کے ذریعے وہاں خانہ جنگی کرادی۔اس نے فلسطین میں اسرائیل کو مسلمانوں پر جبر میں اضافے پر اکسایا۔سوال یہ ہے کہ آخر مغرب کو اسلام اور امتِ مسلمہ اتنی ناپسند کیوں ہے؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام عیسائیت سے تقریباً ۶۰۰ سال بعد منظر پر طلوع ہوا،مگر اس نے دیکھتے ہی دیکھتے آدھی سے زیادہ دنیا کو فتح کرلیا۔اسلام کی پیش قدمی اتنی برق رفتار ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔مغرب کے لیے اسلام کی یہ پیش قدمی ناقابل قبول ہے اور وہ اس حوالے سے اسلام سے حسد محسوس کرتا ہے۔

۲۰ویں صدی کے آغاز میں مغربی دانش ور کہا کرتے تھے کہ اسلام بلاشبہ بڑا مذہب ہے مگر وہ دنیا کو جو کچھ دے سکتا تھا،دے چکا،اب اس کے پاس دنیا کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مغربی دانش ور خیال ظاہر کرتے تھے کہ اسلام اب کوئی انقلابی قوت نہیں ہے اور اس کا احیاء ناممکن ہے۔مگر ۲۰ویں صدی کے بڑے بڑے واقعات نے اہلِ مغرب کی دانش وری کا پول کھول دیا۔اقبالؒ،مولانا مودودیؒ اور حسن البناءؒ کی فکر نے پوری مسلم دنیا میں بیداری کی لہر برپا کردی،ایران میں دو ہزار سال پرانی بادشاہت کا تختہ الٹ گیا اور وہاں مذہب کی بنیاد پر انقلاب برپا ہوگیا۔اس انقلاب کے بارے میں مغرب کے دانش وروں نے فرمایا کہ اسلام ڈنڈے کے زور پر اقتدار میں آیا ہے،وہ جمہوری طریقے سے معرکہ سر نہیں کرسکتا۔مگر الجزائر،مصر،ترکی، فلسطین اور تیونس میں اسلامی تحریکوں نے ووٹ کی طاقت سے برج الٹ کر دکھا دیے۔جہاد کا ادارہ عرصے سے غیر متحرک تھا اور عام خیال یہ تھا کہ جہاد کا زمانہ گزر چکا ہے،مگر افغانستان میں سوویت یونین اور امریکہ کے خلاف جہاد کا ادارہ اس طرح متحرک ہوا جیسے وہ کبھی غیر متحرک ہوا ہی نہیں تھا۔اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ جہاد اور شوقِ شہادت کی برکت سے افغانستان میں وقت کی دو سپر پاورز کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دو سپر پاورز کو مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے بہترین زمانے میں گرایا تھا،یا اب انہوں نے اپنے بدترین زمانے میں دو سپر پاورز کی دھجیاں اڑائی ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان آج بھی اسلام کو اوڑھنا بچھونا بنائیں تو معجزات رونما ہوسکتے ہیں۔مغرب کے سامنے یہ تجربہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے پاس سیاسی طاقت ہے نہ عسکری طاقت ہے،نہ ان کے پاس سائنس ہے،نہ ٹیکنالوجی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس اخلاق اور کردار کی دولت بھی نہیں ہے،مگر اس کے باوجود اسلام مغرب میں لاکھوں مقامی باشندوں کو مسلمان بنا چکا ہے۔مغرب ان تمام حقائق کو دیکھتا ہے تو وہ اسلام اور مسلمانوں سے خوف محسوس کرتا ہے،اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی جدوجہد کو اور تیز کردیتا ہے۔

●●●

فارم نمبر چار (Form (4

مالک	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
پرنٹر	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت	:	ماہانہ

مقام اشاعت: پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

عورت سیرت رسولؐ کے آئینے میں

مریم جمیلہ فلاحی

عورت وہ عظیم ہستی ہے جس سے نسلیں پروان چڑھتی ہیں۔ اس جہاں کی تمام رعنائیاں اسی کے دم سے ہے۔ لیکن جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے گئے۔ کہیں وہ خادمہ اور لونڈی بنائی گئی تو کہیں حیوانی خواہشات کا کھلونا بنا کر اس کی عزت و توقیر کو نیلام کیا گیا۔

تہذیب یافتہ کہی جانے والی پچھلی قوموں میں سماجی حیثیت سے عورت کی حالت بہت پست تھی، ضرورت پڑنے پر اسے مہاجنوں کے یہاں رکھا جاسکتا تھا۔ یونان میں عورت کی حیثیت ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق کی سی تھی۔ رومیوں کے یہاں عورت کی کچھ بھی قدر و قیمت نہ تھی۔ اس کو گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ قرار دیا جاتا تھا۔ معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ سمجھا جاتا تھا۔

ہندوستان بھی صدیوں سے عورتوں کے سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔ کہیں وہ داسی بنائی گئی تو کہیں اسے شوہر کی چتا پر بھینٹ چڑھایا گیا تو کہیں اسے وراثت کے حق سے محروم رکھا گیا۔

عرب کی اس سے بھی خراب حالت تھی۔ وہاں عورتوں کا وجود خاندان کے لیے عار سمجھا جاتا تھا۔ اسلام کی آمد سے قبل عورت انتہائی مظلومیت اور ذلت کی زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے پیدا ہوتے ہیں زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔ قرآن عربوں کی اس جاہلی ذہنیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَ إِذا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثي ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَ هُوَ كَظِيمٌ. يَتَوارى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ ما بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلي هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرابِ أَلاَ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ

(النحل: ۵۹/ ۵۸)

”ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی فیصلے کرتے ہیں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

”وَ إِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَت. بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ“ (التکویر: ۸۔ ۹)

”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی۔“

اسلام آنے کے بعد عورت پر ہونے والے تمام مظالم کا خاتمہ ہوا۔ اس نے عورت کی حقیقی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے اسے عزت و شرافت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ اسلام ہی وہ فطرت ہے جس نے عورتوں کو سارے حقوق دیئے اور یہ بتایا کہ وہ بھی معاشرے کا حصہ ہیں، چنانچہ عرب میں اسلام آنے کے بعد نبی رحمت محمد مصطفیؐ کی شکل میں عورتوں کو ایک ایسا رحیم و شفیق حامی اور محافظ مل گیا کہ اگر ان پر ذرا سی بھی زیادتی ہوتی تو بلا تکلف حضورؐ کے سامنے اپنی شکایات لے کر جاتیں، اس وجہ سے لوگ کسی قسم کی تکلیف دینے سے ڈرتے تھے کہ کہیں یہ آپؐ کے پاس شکایت نہ لے کر پہنچ جائیں۔

آپؐ نے عورتوں کو بحیثیت بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کے حقوق متعین کیئے اور ان کے ساتھ الفت و محبت سے زندگی بسر کرنے کی تلقین کی۔ رسول اللہؐ نے بیٹیوں کے ساتھ الفت و محبت، ان

کی تعلیم و تربیت اور ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے کا درس دیا۔لوگوں کو بیٹیوں سے نفرت و کراہیت کو یہ کہتے ہوئے ختم کیا کہ ''میں بھی خود لڑکیوں کا باپ ہوں''۔ایک بار ایک شخص اپنے زمانۂ جاہلیت کا قصہ نبیؐ کے سامنے بیان کرتا ہے کہ میری چھوٹی لڑکی تھی جاہلیت کے دستور کے مطابق میں نے اپنی بیٹی کو زندہ گاڑ دیا وہ ابا ابا کہہ کر پکارتی تھی اور میں اس پر مٹی اور ڈھیلے ڈالتا رہا،اس بے دردی کے واقعہ کو سن کر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپؐ اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی۔آپؐ نے فرمایا:

''خدا کی قسم یہ بڑی قساوت قلبی ہے جس کا دل رحم سے آشنا نہ ہو وہ مستحق رحم نہیں۔''

آپؐ نے فرمایا کہ:

''جس شخص نے تین بیٹیوں یا بہنوں کی پرورش کی، ان کو اچھا ادب سکھایا اور ان سے شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ محتاج نہ رہیں تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جنت واجب کر دے گا۔ایک شخص نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ اور اگر کسی نے صرف دو لڑکیوں کے ساتھ یہ حسن سلوک کیا تو کیا وہ بھی اس فضل کا مستحق ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا:

''ہاں دو پر بھی یہی اجر ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا کہ:

''جس کے یہاں لڑکی ہو وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔''

آپؐ کا اپنی بیٹیوں کے ساتھ یہ معمول تھا کہ آپ کہیں سفر پر جاتے تو حضرت فاطمہؓ سے ضرور ملاقات کرتے۔حضرت فاطمہؓ خود فرماتی ہیں کہ جب میں حضورؐ کی خدمت میں تشریف لاتی تو آپؐ احتراماً کھڑے ہو جاتے، میری پیشانی چومتے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔آپؐ نے باپ کی نگاہ میں بیٹی کو صرف محبوب ہی نہیں بتایا بلکہ بیٹے کی طرح باپ کی جائداد سے حصہ بھی مقرر فرمایا۔اسی طرح بہن کا بھی وراثت میں حصہ اسلام نے مقرر فرمایا۔

اسی طرح اسلام نے عورت کو بحیثیت بیوی کے سب سے پہلے تاریخ میں اونچا مقام عطا کیا۔نبیؐ کا ارشاد ہے کہ:

''عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہے۔''(مسند احمد)

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''نیک عورت دنیا کی سب سے بہتر متاع ہے۔''

زمانۂ جاہلیت میں مرد کثرت سے نکاح کرتے تھے اور عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے بجائے انھیں ظلم وستم کا نشانہ بناتے تھے۔اسلام نے کثرت ازدواج پر روک لگا دی اور زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی حد مقرر کر کے اسے عدل وانصاف کے ساتھ مشروط کر دیا اور ان کے ساتھ معروف طریقے سے پیش آنے کی تلقین کی۔آپؐ نے فرمایا کہ:

''مومنوں میں کمال ایمان والا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ خلق احسن اور ملاطفت میں بہتر ہو اور میں اپنی ازدواج مطہرات کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔''(مشکوۃ)

آپؐ کا نہ صرف اپنی بیویوں کے ساتھ یہ معمول تھا بلکہ ان کے قریبی رشتے داروں اور سہیلیوں کے ساتھ بھی نرمی و مہربانی سے پیش آتے تھے۔حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپؐ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آپؓ کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھیجواتے۔

اسی طرح اسلام نے مہر کو بیوی کا حق بتایا اور اس کی مکمل ادائیگی کا حکم دیا۔

اسلام نے بیوی کو شوہر کے گھر اور بچوں کا نگہبان بنایا،ساتھ ہی شوہر پر معروف طریقے سے اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری ڈالی کہ جو تم کھاؤ وہ اسے کھلاؤ جو تم پہنو وہ اسے پہناؤ اور اس کے چہرے پر نہ مارو۔(ابوداؤد)

آپؐ نے ہر طرح سے اپنے خاوند کا خیال رکھنے والی مومنہ بیوی کو جنت کی بشارت بھی دی ہے۔حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ:

''جس مومنہ عورت نے اس حال میں وفات پائی کہ اس کے ایمانی کردار وعمل سے اس کا مومن شوہر خوش تھا تو وہ عورت جنت میں داخل ہوگی۔''(ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا:

''عورت جب پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرے اور ماہ رمضان کے روزے اہتمام سے رکھے اور اپنی ناموس وعصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی معروف میں اطاعت کرے تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔''

اسلام نے ماں کی حیثیت سے بھی عورت کو بلند مرتبہ دیا ہے جس کی مثالیں ہمیں آپؐ کی تعلیمات میں ملتی ہیں،جیسا کہ:

''ایک شخص نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا کہ یا رسولؐ اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ تو رسولؐ اللہ نے فرمایا: تیری ماں، پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کون؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں، پھر اس نے تیسری مرتبہ پوچھا اس کے بعد کون؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں، پھر جب چوتھی مرتبہ اس نے دریافت کیا کہ پھر کون؟ تو آپؐ نے فرمایا: تیرا باپ، اس کے بعد جو اس سے قریب ہو۔'' (متفق علیہ)

اسی طرح ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں نے جہاد میں شرکت کا ارادہ کیا ہے اور اس سلسلے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہیں؟ کہا ہاں وہ زندہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کی خدمت کرو جنت ان کے پاؤں کے نیچے ہے۔'' (ابن ماجہ)

ایک دفعہ آپؐ نے چار بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سب سے بڑا گناہ ماں کی نافرمانی کو قرار دیا اور فرمایا: تمہارے رب نے ماں کی نافرمانی کو تم پر حرام قرار دیا ہے۔ ابوالطفیل ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو مقام ہرانہ میں دیکھا کہ آپ ﷺ گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی تو آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا دی جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آپؐ کی رضاعی ماں ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی ماں کے عزیز رشتے داروں سے بھی آپ کی بے پناہ محبت کا سراغ ملتا ہے۔

اسلام نے عورت کو ہر طرح سے حقوق عطا کئے ہیں چاہے وہ معاشی ہو، تمدنی ہو یا تعلیمی ہو اس کو مرد کے برابر سمجھا۔ وراثت میں ان کے حقوق متعین کئے۔ شوہر سے اس کا مہر دلوایا۔ شوہر کے انتخاب میں اس کی رضامندی کو مقدم رکھا۔ اس کو دینی علوم سیکھنے کی پوری اجازت دی یہی نہیں بلکہ ذہنی حیثیت سے بھی ایک عظیم انقلاب برپا کیا کہ اس کو ''دیوداسی'' اور لونڈی کے مقام سے اٹھا کر گھر کی ملکہ بنا دیا۔ ●●●

(بقیہ صفحہ ۲۰ کا)

(۲) پانچ سال کی عمر کے لڑکے بھی ٹیچر کا چہرہ پڑھنے سے عاری ہوتے ہیں، اس لیے ان کی اصلاح کے لیے ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) لڑکوں کی مکانی یادداشت (Spatial Memory) لڑکیوں کے مقابلے میں ۴ سال آگے (Advanced) ہوتی ہے۔

(۴) لڑکوں کی قوت سماعت لڑکیوں کے مقابلے میں چار گنا کم ہوتی ہے۔ اس لیے لڑکوں کو استاد کی اونچی آواز اور ڈانٹ ڈپٹ ان کا ڈسپلن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

(۵) اپنی جارحانہ اور متحرک طبیعت کی وجہ سے لڑکوں کو کلاس میں ٹک کر بیٹھنے اور توجہ مرکوز کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ نتیجتاً اساتذہ انہیں (Attention Defecit Syndrome-ADD) کا مریض قرار دے کر انھیں ritalin جیسی ادویات دینا شروع کر دیتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۴ کا)

آسمان کی طرف اشارہ کیا اور یہ الفاظ تین مرتبہ کہے ''اللّٰھم اشھد'' اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اور آخر میں یہ کہا ''فلیبلغ الشاھد الغائب'' تم میں جو لوگ موجود ہیں میرا پیغام ان تک پہنچا دیں جو لوگ موجود نہیں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن قیامت تک پیغام حق کی نشر و اشاعت امت پر فرض کر دی گئی ہے، نیز ساری دنیا میں دین کا غلبہ ہنوز باقی ہے جس کی جدوجہد امت پر واجب ہے تاکہ مظلوم انسانیت اسلام کے سایہ رحمت میں سکون حاصل کر سکے۔

●●●

افغانستان آخری صلیبی جنگ کا نقطۂ آغاز

مبصر: ابوالفیض اعظمی

عابداللہ جان (مقیم حال کینیڈا) پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک سیاسی تجزیہ کار، مشہور صحافی اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ Independent Center for Strategic Studies and Analysis سے وابستہ ہیں۔ آپ کی شہرت عالمی و سیاسی تبصروں کی وجہ سے بہت زیادہ ہے۔ آپ کے مضامین بین الاقوامی سطح کے جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے طالبان حکومت میں UNDP کے ایک مشن کے تحت افغانستان میں مختلف طبقات کے افراد اور طالبان کے اہل کاروں سے باتیں بھی کی تاکہ طالبان حکومت کی پالیسیوں کے تحت ان کے ترقیاتی کاموں کا جائزہ لیا جاسکے۔

عابداللہ جان نے نائن الیون کے واقعہ سے چند ہفتے پہلے دہشت گردی سے متعلق اپنی ایک زیر تصنیف کتاب کے سلسلے میں اسامہ بن لادن اور ایمن الزواہری سے انٹرویو بھی کیا تھا جس کا تفصیلی ذکر کتاب میں موجود ہے۔

یہ کتاب ایک ایسے موضوع (آخری صلیبی جنگ) کے تحت لکھی گئی ہے جس پر بہت سے تجزیہ کار اور مصنفین نے اپنے اپنے حساب سے خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ موضوع ابھی تک برصغیر کے زیادہ تر علماء اور مسلم دانشوروں کی نظر میں غیر مانوس ہے لیکن اہل مغرب خصوصاً یہود و نصاریٰ اس کے ایک ایک حرف سے نا صرف واقف ہیں بلکہ اسے انجام تک پہنچانے اور امت مسلمہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے پوری طرح جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نائن الیون (9/11) کا واقعہ ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا اور افغانستان پر حملہ مذہبی نقطۂ نظر سے تھا جس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

باطل کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ پوری امت مسلمہ کو مسلک اور قومیت کے نام پر تقسیم کر کے رکھے تاکہ ان کے اندر سے خلافت کا تصور ختم ہو جائے اور وہ ایک امیر کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوسکیں، جہاں کہیں بھی اس طرح کی چنگاری نظر آرہی ہو اسے لَو بننے سے پہلے ہی بھسم کر دیا جائے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ طالبان کی حکومت پوری طرح سے اسلامی نقطۂ نظر پر قائم نہ تھی لیکن انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اسے ختم نہ کیا جائے تو یہی ٹوٹی پھوٹی کوشش آگے چل کر خلافت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے، جو خلا میں وجود پذیر ہونے والی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ ایک نظریاتی اور روحانی پس منظر رکھتی ہے۔

زیر نظر کتاب ''افغانستان آخری صلیبی جنگ کا نقطۂ آغاز'' کل سات ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر میں مصنف نے نتیجے کے طور پر کچھ باتیں لکھیں ہیں جو پوری کتاب کا خلاصہ ہے۔

تمہیدی گفتگو کے تحت یہ لکھا گیا ہے کہ ''افغانستان پر امریکا اور نیٹو کی یلغار، جسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیا گیا، درحقیقت اسلام اور اسلامی دنیا کے خلاف آخری صلیبی جنگ کا آغاز تھا۔'' مزید لکھا ہے کہ ''تمام صلیبیوں کا ہدف اسلام ہے۔ باقی جو کچھ ہم سنتے ہیں مثلاً بنیاد پرستی، سیاسی اسلام، اسلام ازم وغیرہ یہ صرف بہانے ہیں جو دنیا کو بے وقوف بنانے اور استعمال کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ اپنے ہدف کو حاصل کیا جاسکے۔'' (ص ۵)

مصنف نے ''منصوبہ بند جارحیت'' کے عنوان سے ایک تعارفی نوٹ لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

''ستمبر کے آخر میں ۳۷ ممالک میں ایک سروے میں یہ سوال پوچھا گیا تھا کہ اگر

دہشت گردوں کی شناخت ایک دفعہ ہو جائے تو امریکی حکومت کو کیا کرنا چاہیے؟ آیا اسے ان ممالک پر حملہ کرنا چاہیے جہاں ان دہشت گردوں کو پناہ مل رہی ہے یا امریکہ کو ان کی حوالگی کا مطالبہ کرنا چاہیے تاکہ ان پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ صرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت (جو پہلے سے ''دہشت گردوں'' کے ساتھ مصروف جنگ تھے) میں اکثریت نے جنگ کے حق میں رائے دی۔ ۸۰ فیصد یورپین، ۹۰ فیصد ساؤتھ امریکن، ۸۰ فیصد بوسنیائی اور ۶۹ فیصد پاکستانیوں نے حوالگی اور مقدمہ چلانے کے حق میں رائے دی۔'' (ص ۲۱، ۲۲)

مصنف نے آگے لکھا ہے کہ افغانستان پر حملہ کرنے کے پیچھے انتقامی جذبہ نہیں بلکہ دوسری وجوہات تھیں جن میں ۳ قابل غور ہیں۔ پہلی وجہ طالبان کو تباہی سے دوچار کرنا تھا، تاکہ ان کا اسلامی امارت کا خواب چکنا چور ہو جائے۔ دوسری وجہ امریکہ کے سامنے اس کی استعماری حیثیت کی ساکھ ہے۔.....اور تیسری وجہ وہ مفاد تھا جو کروسیڈ کے نتیجہ میں مال غنیمت یا لوٹ کی شکل میں ممکن الحصول تھا اور یہ وسطی ایشیائی ملکوں کے تیل اور قدرتی گیس پر اختیار کا حصول تھا۔'' (ص ۳۲، ۳۳)

مصنف نے کتاب کے پہلے باب ''جنگ کے پس پردہ جذبہ محرکہ'' میں لکھا ہے کہ ''کروسیڈ کا اعلانیہ حوالہ اور طالبان حکومت گرانے کے لیے عملی اقدام بش کے ایسے اقدامات ہیں جنھوں نے کیتھولکس، ایوانجلسٹس پروٹسٹنٹ کو مذہبی فرنٹ پر اکٹھا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔'' (ص ۴۲)

مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''۲۰۰۱ء میں دیکھا گیا ہے کہ امریکی قصر صدارت کی ترجیحات کے تعین میں مذہبی قیادت کا کردار فیصلہ کن رہا ہے، جن میں افغانستان پر حملہ اور طالبان حکومت کو گرانا، سوڈان کے خلاف ''امن'' کے بہانے اقدامات اور عراق پر حملہ اور اسرائیل کی زیادہ اہتمام کے ساتھ حمایت جیسے فیصلے شامل ہیں۔'' (ص ۴۵)

کتاب کے تیسرے باب ''حقیقی چیلنج'' کی شروعات کچھ اس طرح ہوتی ہے:

''ہمیں آج کل عالمی اور مقامی دونوں سطح پر اسلام کے چیلنج کا سامنا ہے۔ اس چیلنج پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ ہم نے اس ایشو کو مدت تک نظر انداز کیئے رکھا ہے کیونکہ ہم میں برداشت کی صفت ہے اور کچھ ہم سست واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کے خلاف ہماری جو مخالفت ہے وہ دکھانی چاہیے اور بعض اوقات ہمیں کھل کر سامنے آنا چاہیے۔'' (ص ۸۵)

مصنف نے کتاب کے چوتھے باب ''جہاد سے صلیبی جنگ تک'' میں ایک جگہ میڈیا کے پروپیگنڈے کے بارے میں لکھا ہے:

''ان تمام درخواستوں کو منظور کرنے کے لیے یہ شرائط رکھی گئیں کہ تمام تعلیمی سہولیات مخلوط تعلیم کی یقین دہانی پر ہی مہیا کی جائیں گی۔ روحانی رپوٹرز کو بتایا کرتے تھے کہ طالبان لڑکیوں کی تعلیم کے بالکل خلاف نہیں ہیں۔۔۔۔تاہم یہ رپورٹرز اتنا تعصب برتتے کہ واپس جا کر رپورٹ دیا کرتے تھے کہ طالبان نے خواتین کی تعلیم پر پابندی عائد کر دی ہے۔'' (ص ۱۵۹)

چھٹے باب ''جنگ اور قبضہ کا جواز'' میں مصنف نے ایک جگہ القاعدہ کے سلسلے میں یہ لکھا ہے:

''القاعدہ اکیسویں صدی کے عظیم ترین ''جھوٹوں'' میں سے ایک جھوٹ ہے۔ دنیا میں القاعدہ کی ہیئت سے کوئی تنظیم موجود نہیں ہے سوائے ان جھوٹی ویڈیوز کے جو اس کے متعلق بنائی گئی ہیں۔'' (ص ۲۲۳)

حاصل بحث کے طور پر مصنف نے کچھ الگ سے باتیں لکھی ہیں۔ وہ ان میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''اشرافیہ کی ایک ''جمہوری'' حکومت جس طرح جھوٹ اور دھوکے کا سہارا لے کر اکثریت پر حکمرانی کرتی ہے اس کے بارے میں اختلاف رائے کے متعلق نیو یارک ٹائمز بات نہیں کرتا۔ جس اختلاف رائے کا تذکرہ اخبار کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے مطابق رہنے سے انکار کیا جائے اور قرآن کو اللہ کے آخری منشور کے طور پر تسلیم کرنے کو مسترد کیا جائے۔'' (ص ۲۷۲)

کتاب کا اسلوب بیان سُستہ اور سادہ ہے، لیکن حقائق اور چشم کشا رپورٹوں اور دستاویزات کی وجہ سے سلاست اور روانی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض دفعہ کتاب پڑھنے سے من اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ کتاب موضوع کے اعتبار سے اپنا ایک انفرادی مقام رکھتی ہے جسے پڑھنے کے بعد بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ ساتھ میں باطل کے منصوبوں کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملتا ہے۔

اس کتاب کے مترجم محمد فہیم صاحب ہیں۔ یہ کتاب ۳۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، مکتبہ خدام القرآن لاہور نے شائع کیا ہے۔

●●●

اللہ کے مددگار

خان مبشرہ فردوس

آج مچھلیاں زیادہ ہاتھ آئی تھیں۔اور اچھے داموں میں فروخت بھی ہوگئیں۔ بوڑھا مچھیرا جال کو ہاتھ میں لیے ہوئے تھکا ماندہ گھر میں داخل ہوا۔ گھر کیا تھا، ایک جھونپڑی تھی، جس میں دو(۲) چارپائی، ایک بوسیدہ سی میز، مٹی کا گھڑا اور اس پر رکھا پانی پینے کا پیالہ تھا۔ یہی اس کا کل اثاثہ تھا اور یہی کل سرمایہ۔اس کے باوجود یہ علاقے کا سب سے مال دار مچھیرا مانا جاتا تھا اور قسمت والا بھی، جس کے جال میں سب سے زیادہ مچھلیاں پھنستی تھیں۔

مچھیرے نے جال کو کھونٹی پر لٹکایا اور اپنی بیٹی کو آواز دی: ''یومینا کچھ کھلا دو''؟''لائی بابا!'' یومینا نے بوسیدہ لکڑی کی میز پر کھانا رکھا اور قریب رکھے اسٹول پر بیٹھ کر اپنے بوڑھے بابا کی آنکھ میں جھانکتے ہوئے کہنے لگی:

''بابا! ادھر دیکھو میری طرف۔ پھر ملے تھے آپ ابن مریم سے؟''

''بابا۔۔!'' بات اَن سنی کرتے دیکھ کر، یومینا نے بلند آواز سے دوبارہ والد کو مخاطب کیا۔

''ہاں ملا تھا''۔مچھیرے نے جواب دیا۔

''بابا! کیوں مصیبت مول لیتے ہو؟ اس کی آواز میں آواز ملاؤ گے تو لوگ دشمن ہو جائیں گے۔ اور ہفتے کے دن مچھلی پکڑنے سے بھی محروم ہو جائیں گے۔'' یومینا باپ کو لالچ دے کر سمجھانا چاہتی تھی۔

کچھ نہیں ہوگا۔ ایک دن اگر مچھلی نہیں پکڑوں گا تو کون سا طوفان آجائے گا؟ تم نے اس کی باتیں سنی ہوتیں تو تم بھی اس کے ساتھ کہتی: ''میں ہوں مددگار۔''

''بابا آپ بات کو سمجھتے کیوں نہیں؟ کیوں سکھ کی زندگی دکھ میں ڈال رہے ہو؟''

بابا نے کہا: ''بیٹا زندگی کے دکھ رب کے مددگار بننے سے کم ہو جاتے ہیں۔''

بابا! رب تو طاقت رکھتا ہے۔اسے ہمارے مدد کی کیا ضرورت ہے؟

بیٹا! زمین پر لوگوں کے دکھ کم کرنے سے رب کی مدد حاصل ہوتی ہے اور زندگی میں سکھ اور چین حاصل ہوتا ہے۔

''بابا! یہ سب دولت مندوں کے کرنے کے کام ہیں۔لوگ آپ کے دشمن بن جائیں گے۔ بابا آپ ہوش میں آئیں۔'' وہ اپنے بابا کو سمجھا نہیں پا رہی تھی۔

''سوپ اچھا بنایا ہے یومینا!'' بوڑھے باپ نے بات بدلنی چاہی۔

اسی دوران باہر شور کی آواز آئی.....

ابن مریم.....ابن مریم!

بستی کے لوگ جمع ہو گئے۔ بوڑھا باپ اور بیٹی بھی گھر سے باہر نکل آئے۔ابن مریم بلند ٹیلے پر کھڑا ہوا اور کہا: من انصاری الی اللہ (کون ہے اللہ کا مددگار؟)

یومینا نے اپنے بوڑھے باپ کی طرف دیکھا اور کہا: ''نہیں بابا! نہیں۔اور گردن ہلا کر اشارہ کیا۔''

ہجوم سے دو تین آوازیں بلند ہوئیں: ''نحن انصار اللہ'' (ہم ہیں اللہ کے مددگار۔)

دس پندرہ آوازیں ساتھ اٹھیں.....وہ سب ہم آواز ہوئے اور 'نحن انصار اللہ' آوازیں بلند کرتے ہوئے ابن مریم کی جانب بڑھنے لگے۔

تماشائی دم بخود تھے، جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو، یا کھڑے کھڑے بے ہوشی طاری ہو چکی ہو۔ وہ چند ہی نفوس ہم آواز تھے۔ لیکن ان کی آواز کا سحر تماشائیوں کو جامد کر چکا تھا۔ 'نحن انصار اللہ' کی آوازوں کے ساتھ لوگ ابن مریم کے ساتھ ہوتے گئے۔

ماحول پر سحر طاری تھا۔ ہوش آیا تو تماشائیوں میں سے ایک نے کہا: ''ختم کردو انہیں۔ مار ڈالو انہیں، یہ سب کچھ برباد کر دیں گے۔''

''دبا دو ان کی آوازیں.....'' ان نعروں کے ساتھ وہ سب ان پر پل پڑے۔ وہ انہیں ختم کر دینا چاہتے تھے۔

بیٹی نے کہا: ''باباتم نے بڑی مصیبت مول لی۔''

ابن مریم کے ساتھ وہ آسمان کی جانب بڑھنے لگے۔ لیکن ان کی آوازیں، بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔ بپھرے ہوئے ہجوم کا شور معدوم ہوتا گیا۔ ان کا شور مددگاروں کی آوازوں میں دب کر رہ گیا۔ 'انصاری الی اللہ' کی آوازیں چہار دانگ عالم میں پھیلتی گئیں۔ بعد والوں نے بھی سنیں اور جو نہ سن سکے، ان تک بھی پہنچائی گئیں۔ وہ ایک قصے کی شکل اختیار کر گئیں.....قصہ گو کچھ دیر رکا پھر کہنے لگا:

ان کی کامیابی تو دیکھو! جب وہ مدد پر لبیک کہہ رہے تھے تو، دولت، شہرت، عزت اور نام، سب چھن جانے کا خوف دلایا جا رہا تھا۔ لیکن اس مددگاری کی برکت سے بعد کی زندگی میں ہمیشہ ہمیش کی دولت ان کے ہاتھ آئی۔

ان حواریوں کا قصہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو سنایا اور رہتی دنیا تک سنایا جاتا رہے گا۔ لوگ جب بھی ''کونوا انصار اللہ'' کی صدا بلند کرتے ہیں تو 'من انصاری الی اللہ' اور 'نحن انصار اللہ' کا قصہ ضرور سناتے ہیں۔ نام اولاد سے چلتا ہے اور ان کا نام انصار میں دوام پا گیا۔

قصہ گو خاموش ہوا اور کہا: بچو! یہ قصہ تو ختم ہوا۔

ایک نوجوان کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: ''چاچا! اب بھی لوگ کورونا کے قہر سے نہیں نکلے، اپنے عزیزوں کو زمین کے حوالے کر کے لوٹے ہیں۔ لوگ قحط سالی سے پریشان ہیں۔ معیشت، تعلیم روزگار سب بند ہے۔ شہر کا منظر شہر آشوب ہے۔ مادہ کی حقیقت اس وبا کے قہر میں کھل گئی ہے۔ پیسہ ہیچ، مایہ، معیشت سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔

ظالم کا ظلم کم نہیں ہوتا، مظلوم کی آہ وفغان پر کوئی کان نہیں دھرتا۔ حق دار گھلا گھونٹ دیا جاتا ہے، مایوسی کا گھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔ انسان انسان کا دشمن ہے، عزیز ترین رشتے بھی خود بیزاری اور خدا بیزاری کا شکار ہیں۔ انسانوں سے انسانوں کو خطرہ ہے۔ خوف و ہراس ہے کہ کم نہیں ہوتا، اب سکون کی تلاش ہے۔ کیا کریں چاچا؟

قصہ گو نے پورے انہماک سے نوجوان کی بات سنی اور گویا ہوا: ''پکارنے والا پکار رہا ہے: ''من انصاری الی اللہ''۔ اٹھو اور کہو: نحن انصار اللہ۔ (ہم ہیں اللہ کے مددگار) اب یہی راستہ ہے بیٹا! جو چیز اس آواز پر لبیک کہنے سے روکے، سمجھ لو کہ کامیابی سے رک جاؤ گے۔ ہر چیز اس کی مدد کے ساتھ مل جائے گی، یہی کامیابی بڑی ہے۔ انسانوں کی بالادستی کے خوف پر غلبہ پانا ہے تو اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ معیشت پر بھروسہ ہے تو جان لو کہ مال ومتاع بھی مدد کے لیے استعمال ہو سکتی ہے۔ اولاد کا خیال رو کے تو جواب دو کہ میرے پاس بچوں کو دینے کے لیے اس سے بڑا ورثہ کیا ہو سکتا ہے؟ ناتوانی کا احساس بڑھے تو کہو کہ زندگی فانی ہے۔ اس دائم رہنے والی آواز کا مددگار کیوں نہ بنوں؟ دنیا کی کامیابی کا خیال زنجیر ڈالے تو خود سے کہو کہ اصل کامیابی تو آخرت کی زندگی ہے۔ دل اگر فرائض کی ادائیگی میں عذر پیش کرے تو دماغ سے کہو کہ اللہ کی مددگاری بھی فریضہ ہے، ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی چلتی رہے گی۔ اس مددگاری پر وقت کی کمی کا احساس لاحق ہو تو یاد رکھو! وقت کی برکت بھی رب کے اختیار میں ہے۔ بیٹا! بس اس آواز پر لبیک کہو، جس میں انسان کی نجات ہے۔''

جب صدا بلند ہو کہ: من انصاری الی اللہ۔ (کون ہے اللہ کا مددگار؟)

جواب دے دو کہ: نحن انصار اللہ۔ (ہم ہیں اللہ کے مددگار)

اور پکارنے والے کے ساتھ کہو: کونوا، انصار اللہ۔ (ہو جاؤ اللہ کے مددگار)

قصہ گو نے اپنی بات ختم کی اور تھیلا اٹھا کر جانے لگا۔ نوجوان اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے، حتیٰ کہ وہ نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ بچے، بوڑھے اور جوان کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے اور مغرب کی جانب ''کونوا انصار اللہ'' (ہو جاؤ اللہ کے مددگار) کی صدا لگاتے ہوئے قافلے کی شکل میں بڑھنے لگے۔ دیکھنے والا دیکھ سکتا تھا کہ ان کے حوصلے بلند، ان کے عزائم چٹان کی طرح اور وہ ایک طوفان کی مانند صدا لگاتے ہوئے بڑھے جا رہے تھے۔

●●●

محراب گل افغان

اپنی خودی پہچان، او غافل افغان

شارح: شیر خالد

علامہ اقبال نے ضربِ کلیم کے آخری حصہ میں افغانستان اور افغانیوں کے بارے میں 'محراب گل افغان' کے ایک فرضی نام سے اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر افغان بیدار ہو جائیں گے تو کم سے کم ایشیا میں اسلام سربلند اور غالب ہو جائے گا۔ ان نظموں میں علامہ کی فکر ''کیا عجب کہ اس قوم کی بیداری میں میں کوئی حصہ لے سکوں'' جھلکتی ہے۔ یہ نظم انہیں میں سے ایک ہے۔

رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزندِ کوہستاں! اپنی خودی پہچان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

معنی: کوہستان: پہاڑ، پہاڑی ملک۔

تشریح: اے پہاڑ کے دامن میں رہنے والے بہادر! تم آنکھ اٹھا کر پوری دنیا کو دیکھو ہر طرف انقلاب کی آمد آمد ہے، چاہے وہ یورپ ہو، شام ہو یا ہندوستان، چہار جانب بدلاؤ نظر آئے گا۔ اے فرزند توحید! تم بھی اب غفلت کو چھوڑ کر اپنی دینی و اسلامی شناخت کو پہچانو، قدرت نے تمہارے اندر جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان کو بروئے کار لا کر اسلام کے پرچم کو سربلند کرو۔

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

معنی: وافر: کثرت، بہت زیادہ۔ دہقان: کسان

تشریح: اگر ایک کسان کے پاس کھیتی کے لئے سارے وسائل موجود ہوں اور وہ اپنا کھیت نہ سینچے تو ایسا کسان کسان نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تم کو جسمانی قوت دی ہے، شجاعت و حوصلہ بھی دیا ہے اور انقلاب کے لیے جنگ و جدل کا شوق بھی دیا ہے تو پھر تم کو اپنی ان صلاحیتوں کو اسلام (کھیتی) کے فروغ میں استعمال کرنا چاہیے۔

اُونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریا
جس کی ہوائیں تُند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

تشریح: جس طرح اونچی لہروں کے بنا کسی سمندر کا وجود نہیں اور تیز ہواؤں کے بنا کوئی طوفان نہیں ہوتا تمہیں بھی اپنی صفوں کو اتنا مضبوط بنانا ہوگا کہ سمندر کی لہروں کی مانند باطل پر ڈٹ جاؤ اور ان پر ٹوٹ پڑو، اور تمہیں وہ طوفان بننا ہوگا جس میں باطل خس و خاشاک کی طرح اڑ جائے۔ یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے جب تم اپنی خودی اور ایمان کو بلند سے بلند تر کرو۔

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہقانی پر سُلطانی قربان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

تشریح: اقبال افغانیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں یاد رکھو! جس کسی نے اپنا محاسبہ کر کے اور اپنی ذات پر غور و فکر کر کے اپنی خودی اور صلاحیتوں کو پہچان کر انکی آبیاری کی، ایسے کسان اور مزدور کی عظمت کا مقابلہ کوئی سلطان بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اے غفلت میں پڑے ہوئے افغان! اپنی عظمت اور خودی کو پہچان۔

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالِم فاضِل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

تشریح: علامہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ اے افغان! تمہاری وادیوں میں علم و حکمت اور علماء کی اتنی کثرت نہیں ہے جتنی ہندوستان اور باقی دنیا میں ہے، لیکن تیری یہ کم علمی ان علماء اور فضلاء سے بہتر جنھوں نے ذاتی اغراض اور چند دنیاوی فائدوں کے لئے اپنا دین و علم باطل کے ہاتھوں بیچ ڈالا ہے۔

رپورٹ برائے مہم

بعنوان: دوڑو اپنے رب کی طرف

ملت اسلامیہ ہند کو موجودہ حالات میں تمام محاذوں پر سخت چیلنجز درپیش ہیں۔ داخلی محاذ پر نگاہ ڈالی جائے تو ایمان کی کمزوری، اخلاق کی پستی، اتحاد کا فقدان اور اس کے نتیجہ میں پایا جانے والا خوف و ہراس اور بزدلی و مایوسی نے عوام و خواص سب کو شکار بنا لیا ہے۔ ہماری اس دگرگوں صورت حال کے پیچھے اگرچہ خارجی اسباب کارول بھی ہے۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ افراد اور قومیں اگر داخلی محاذ پر مضبوط ہوں اور عزم مصمم کے ساتھ جہد مسلسل جاری رکھیں، تو بڑی سے بڑی آزمائش کو انگیز کرسکتی ہیں۔

ملت اسلامیہ ہند ایک لمبے عرصہ سے مختلف آزمائشوں کا شکار ہے۔ بالخصوص تقسیم ہند سے شروع ہونے والے مسلم مخالف اقدامات کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔مسلمانوں کے ملی وجود کو پارہ پارہ کرنے کے لیے مختلف حربے اختیار کیے جارہے ہیں۔ان کی تہذیبی شناخت پر جارحانہ حملے کرنا، مختلف بہانوں سے مسلم پرسنل لاز میں چھیڑ چھاڑ کرنے اور یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کی کوشش، عصری نظام تعلیم کے ذریعہ مادہ پرستانہ اور ملحدانہ افکار کا تھوپا جانا، نصابی کتابوں سے حقائق کی تبدیلی کے ذریعہ مسلم شخصیات کو مطعون کرنا اور تعصب پر مبنی مواد کی اشاعت، مدارس، مکاتب اور ملی اداروں کی آزادی کو ختم کرنے کی کوشش، حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے بابری مسجد کے سلسلہ میں انصاف کا قتل، گھر واپسی، لَو جہاد، ذبیحہ پر پابندی، مسلم مکت بھارت بنانے کی کوشش، مشرکانہ کلمات اور اعمال کو خصوصاً مسلمانوں پر تھوپا جانا، گائے کے نام پر مسلمانوں کی ماب لنچنگ، عزت و ناموس کی پامالی، مختلف فرضی الزامات کے تحت مسلم نوجوانوں کو جیلوں میں قید کرنا، کورونا کے نام پر مسلمانوں کو بدنام کرنا وغیرہ اس کی کچھ مثالیں ہیں۔

ملت کی اس موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے اسلامک یوتھ فیڈریشن نے 15 تا 30 ستمبر ایک کل ہند مہم بعنوان ”دوڑو اپنے رب“ کی طرف منانے کا فیصلہ کیا۔ آئی وائی ایف کا ماننا ہے کہ ملت اس طرح کے حالات سے پہلی دفعہ نہیں بلکہ تاریخ میں اس سے سنگین حالات سے وہ بارہا دوچار ہوئی ہے لیکن جب اس نے مخلصانہ طریقے سے اپنا رخ اللہ کی طرف کیا تو وہیں سے زوال عروج میں بدل گیا۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم توبہ و استغفار، صبر و استقامت اور توکل علی اللہ کے ذریعے شعوری طور پر اپنے رب سے وابستہ ہوں تاکہ اس کی نصرت اور تائید سے مشکل حالات سے نکل سکیں۔

آئی وائی ایف نے اپنے ممبران اور کیڈرس کے ساتھ مہم کے پیغام کو ملت تک پہنچانے اور عام کرنے کے لئے دس سے زائد صوبوں میں ممکنہ تمام طریقوں کو اختیار کیا اور ملت کی جانب سے اس سلسلے میں الحمدللہ مثبت رویہ سامنے آیا جس کا اظہار اکابرین ملت نے اپنے ویڈیو پیغامات اور انٹرویوز کے ذریعے کیا۔ سب سے پہلے صدر تنظیم برادر معاذ جاوید نے اپنے ویڈیو پیغام کے ذریعے امت کے سامنے موجودہ حالات کی سنگینی کو واضح کیا اور پھر ان حالات سے نکلنے کی ممکنہ تدابیر بھی پیش کیں۔ آپ نے اپنے خطاب میں واضح کیا کہ موجودہ حالات نئے نہیں ہیں، ان حالات کے مقابلے کے لیے ہمیں سب

سے پہلے اپنے رب سے تعلق کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر اسٹیٹ نے مرکز کی رہنمائی میں اپنے اپنے علاقے کے حساب سے منصوبہ بندی کی۔ اور پھر منظم طریقے سے ہر اسٹیٹ میں مہم کا آغاز ہوا۔اتر پردیش میں پریس کانفرنس کے ذریعے مہم کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد 20 سے زائد اضلاع میں بینر، پوسٹر، ہینڈ بل، فولڈرز، کارنر میٹ، خطبات جمعہ، ٹی پارٹی، عوامی اجتماعات، اسٹوڈنٹس میٹس، میڈیکل پوسٹر، سوشل میڈیا پر ملت کے علماء اور دانشوروں کی گفتگو اور انٹرویوز Share کیے گئے اور آخر میں ڈویژنل سطح کی کانفرنس کے ذریعے ملت تک مہم کے پیغام کو پہنچانے کی کوشش کی گئی۔مہاراشٹر اور بنگال میں مہم کا آغاز 15 ستمبر سے باقاعدہ ہوا۔ بینر، پوسٹر، ہینڈ بل، کارنر میٹ، خطبات جمعہ، عوامی پروگرام اور سوشل میڈیا کے ذریعے مہم کا پیغام پہنچایا گیا۔اسی طرح، راجستھان، دہلی، جھارکھنڈ، چھتیس گڑھ، کرناٹک، تامل ناڈ وغیرہ میں مختلف پلیٹ فارمز سے طلبہ و نوجوانوں کے علاوہ عوام تک مہم کے پیغام کو عام کرنے کی بھر پور کوشش کی گئی۔

مہم کے آخر میں متعدد مقامات پر عوامی کانفرنسوں کا انعقاد ہوا۔ یوپی میں اعظم گڑھ ڈویژن کا اختتامی پروگرام یکم اکتوبر بروز جمعہ جامعۃ الفلاح کے مولانا ابو اللیث ہال میں ہوا جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے جناب مولانا انیس احمد فلاحی مدنی اور ڈاکٹر وجیہ القمر نے عوام سے خطاب کیا۔اسی طرح لکھنو اور علی گڑھ ڈویژن نے بھی مہم کے اختتام پر کانفرنس کا انعقاد کیا۔ بنگال میں آسن سول اور ساؤتھ 24 پرگنہ میں ضلعی سطح پر کانفرنسوں کا انعقاد ہوا۔مہاراشٹر، راجستھان، رائے پور چھتیس گڑھ، جھارکھنڈ، تامل ناڈو اور کرناٹک وغیرہ میں بھی مہم کے اختتام پر خصوصی پروگرام ہوئے۔ الحمدللہ جہاں جہاں مہم کے پیغام کو پہنچایا گیا وہاں ملت نے اس پیغام کو سنا اور اپنا تعاون پیش کیا اور اس مہم اور اس کے پیغام کو وقت کی ضرورت قرار دیا۔

مہم کے دوران ہی آسام کے مسلمانوں پر ظلم وستم اور ملک کے نامور داعی مولانا کلیم صدیقی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی ظالمانہ گرفتاری کے تکلیف دہ واقعات سامنے آئے۔ آسام میں غریب مسلمانوں کے آٹھ سو گھروں کو مسمار کر دیا گیا، کچھ لوگوں نے احتجاج کیا تو ان پر گولیاں چلائی گئیں، دوسری طرف مولانا کلیم صدیقی اور ان کے ساتھیوں پر اشاعت اسلام کی جدو جہد کے الزامات لگائے گئے۔ان واقعات کی وجہ سے مسلمانوں میں غم وغصہ کے ساتھ ساتھ مایوسی کی کیفیت بھی نظر آئی جس کو سامنے رکھ کر مہم کے دوران امت کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ آزمائش ایمان کا حصہ ہے اور ہمیں ہر حال میں اللہ سے تعلق مضبوط کرنے کی شعوری کوشش کرنی چاہیے کیونکہ بغیر اس کی تائید اور نصرت کے ہم باطل کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔اللہ تعالیٰ اس مہم کو ملت اسلامیہ کے لئے بیداری کا ذریعہ بنائے اور آئی وائی ایف کے افراد کی جدو جہد کو شرف قبولیت بخشے۔آمین

●●●

(غزل)

جب بھی نیزوں پہ سر اچھلتے ہیں
ظلم کے آفتاب ڈھلتے ہیں
آندھیو ہم سے دوستی نہ کرو
ہم ہوا کے خلاف چلتے ہیں
راز جانا تری یتیمی کا
''حوصلے مشکلوں میں پلتے ہیں''
ان کے نقش قدم کی برکت ہے
آندھیوں میں چراغ جلتے ہیں
یہ براہیم کا گھرانہ ہے
ایڑیوں سے کنویں نکلتے ہیں
یاد آتا ہے اضطراب بلالؓ
دھوپ میں جب بھی پاؤں جلتے ہیں
کاش کل کی بھی ان کو فکر رہے
آج جو پھولتے ہیں پھلتے ہیں
ھجرتیں پھوٹ پھوٹ روتیں ہیں
جب کہیں راستے بدلتے ہیں
آج پروائیوں کا موسم ہے
دل میں ارماں کئی مچلتے ہیں
غیرتیں بیچ کر میاں بزمی
لوگ بے کار ہاتھ ملتے ہیں

(سرفراز بزمی)

●●●

اعلان برائے اشتہار وتعاون

نقوش راہ کو مالی تعاون درکار ہے جس کے لیے آپ اپنے اشتہارات اور مالی تعاون دے سکتے ہیں۔تفصیلات کے لئے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

+91 9156564239

مہم کی اہم جھلکیاں

پریس میٹ لکھنؤ یوپی

علی گڑھ ڈیویژن یوپی

کاروان عقاب پوسٹر بازی مقابلہ مرادآباد ڈیویژن

کارنر میٹ گورکھپور یوپی

اعظم گڑھ ڈیویژن یوپی

اسٹوڈنٹس میٹ بنگال

وال رائٹنگ بنگال

عوامی پروگرام بنگال

کارنر میٹ بنگال

خطبہ جمعہ بنگال

ٹی پارٹی چھتیس گڑھ

عوامی پروگرام رائے پور، چھتیس گڑھ

تعارفی پروگرام برائے مہم تامل ناڈو

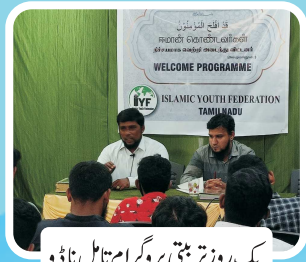

یک روزہ تربیتی پروگرام تامل ناڈو

کارنر میٹ کرناٹک

چترپور جھارکھنڈ

کارنر میٹ رانچی جھارکھنڈ

کارنر میٹ چترپور جھارکھنڈ

عوامی پروگرام راجستھان

کارنر میٹ راجستھان

کارنر میٹ جوگیشوری، ممبئی

مانا اسٹوڈنٹس میٹ مہاراشٹر

اسٹوڈنٹس میٹ ناندیڑ مہاراشٹر

ٹی پارٹی پڑگھا ممبئی

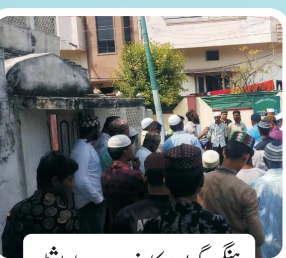
ہنگن گھاٹ کارنر میٹ مہاراشٹر

NUKUSH - E - RAH

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No : G/Akl Dn/258/2019-21

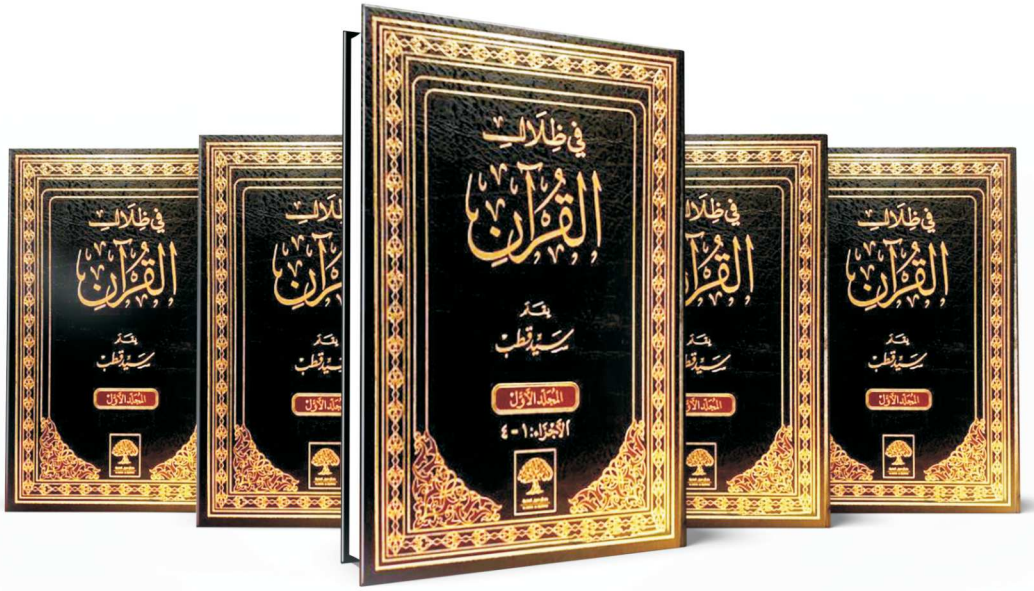

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر
کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9599693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com

NUKUSH - E - RAH
1st Floor, Opp. Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola, 44001
07242434333
nukusherah@gmail.com